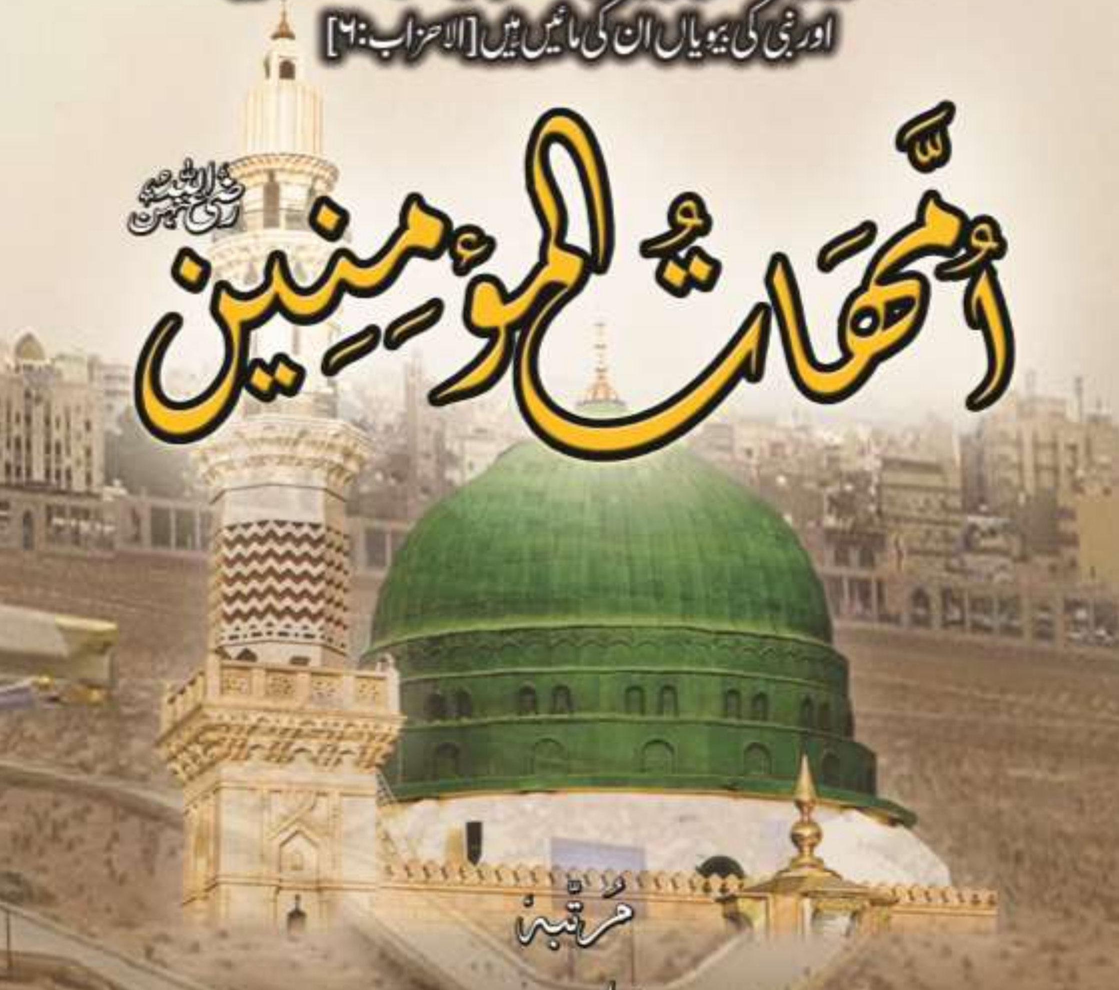
﴿ اَلنَّبِیُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِینَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾

ترجمہ: نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں
اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں [الاحزاب:٦]

اُمَّہاتُ المؤمِنِین رضی اللہ عنہن



مُرتّبہ

ثریا پروین

گوشۂ تحقیقات اسلامی
اسلام آباد ـ پاکستان ـ فون: ۰۳۳۱۳۰۵۱۳۲۵

اُمہاتُ المؤمنین رضی اللہ عنہن

ثُریّا پَروِین

عنوان: اُمہاتُ المؤمنینؓ

مرتبہ: ثریاپروین

نظرثانی: شوکت آراء بیگم۔ ممتاز بیگم

علامہ حافظ محسن ضیاء قاضی (پی ایچ ڈی، نمل یونی ورسٹی، اسلام آباد)

اشاعت: اوّل، اپریل 2019ء

UMMAHAT-UL-MU'MINEEN

By: SURAYYA PARVEEN

Reviewed by: SHOKAT ARA BEGUM, MUMTAZ BEGUM

ALLAMA HAFIZ MOHSIN ZIA QAZI

First Edition: APRIL 2019

Published by: GOSHA-E-TAHQIQAT-E-ISLAMI,

Islamabad Pakistan.

ملنے کا پتہ

حاجی احمد شجاع، ہاؤس نمبر 57، گلی 2، نیشنل ہاؤسنگ 2،

اڈیالہ روڈ، راولپنڈی فون: 0331-5840032

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

عِشّقِ محمد ﷺ مَذّھبی

حضرت محمد ﷺ سے میرا عشق میرا مذہب ہے۔

وَحُبّہُ دِیُنی

آپ ﷺ سے محبت میرا دین ہے۔

وَاطَاعَتہُ منزِلِی

آپ ﷺ کی اطاعت میری منزل ہے۔

یہ کتاب میں اپنے بہت ہی عزیز اور محترم والدین کے نام کرتی ہوں

اور ان کی عظمت اور محبت کو دل کی گہرائیوں سے سلام پیش کرتی ہوں۔

خوشیوں کو صرف کامیابی سے مشروط مت کرو۔ کامیابیاں مقدر کا کھیل

ہیں۔ جبکہ خوشیاں کشید کرنی پڑتی ہیں۔

آج کی ماں اولاد کے لیے اچھا تعلیمی ادارہ تو ڈھونڈتی ہے

لیکن اسے معاشرے کا اچھا فرد بنانے پر دھیان نہیں دیتی۔

ابتدائی دعا

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي

يَفْقَهُوا قَوْلِي (سورۃ طٰہٰ) 28.27.26.25

کہہ میرے پروردگار (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے۔ اور میرے لیے میرا کام آسان بنادے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوبصورت دعائیہ کلمات

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ

وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي

عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ

اے پروردگار! مجھے توفیق عنائت کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

فہرست

پیاری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سب کیلئے پیغام:

اپنے بچوں کو قرآن و سنت کے مطابق تربیت دیں کیونکہ ماں کی گود بچے کے لئے پہلی درسگاہ ہے۔ نسل سنوارنے میں جو کردار عورت ادا کر سکتی ہے وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ عورت اصلاح خاندان کے لئے رہنمائی امہات المومنین کی سیر سے لے سکتی ہے کہ جس طرح ان پاکباز ماؤں نے خوبصورت اور پاکیزہ زندگیاں گزاریں ہیں اس طرح کا ماحول اگر ہماری مائیں بہنیں اپنالیں تو کوئی وجہ ایسی نہیں ہے کہ معاشرہ اسلامی طرز عمل پر اصلاح پذیر نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نفوس قدسیہ کے طور طریقوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوالِ زرّیں:

۱۔ زندگی کے ہر موڑ پر صلح کرنا سیکھو، کیونکہ جھکتا وہی ہے جس میں جان ہوتی ہے، اکڑ تو مردہ ہونے کی علامت ہے۔

۲۔ دوست اور پرندہ دونوں کو آزاد چھوڑ دو، اگر لوٹ آئے تو تمہارا، اور اگر لوٹ کر نہ آئے تو سمجھو وہ کبھی تمہارا تھا ہی نہیں۔

۳۔ جو مصیبت تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے وہ آزمائش ہے اور جو مصیبت تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کر دے وہ سزا ہے۔

۴۔ کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس مکھی جیسی ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر زخم پر بیٹھتی ہے۔

۵۔ اچھے لوگوں کی خوبی یہ ہے کہ انہیں یاد نہیں رکھنا پڑتا بلکہ وہ یاد ہی رہتے ہیں۔

۶۔ رشتے خون کے نہیں احساس کے ہوتے ہیں، اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے ہو جاتے ہیں اور اگر احساس نہ ہو تو اپنے بھی اجنبی بن جاتے ہیں۔

۷۔ کوئی تمہارا دل دکھائے تو ناراض نہ ہو، کیونکہ قانونِ قدرت ہے کہ جس درخت کا پھل میٹھا ہوتا ہے لوگ پتھر بھی اُسی کو مارتے ہیں۔

۸۔ رزق کے پیچھے اپنے ایمان کو خراب نہ کرو، رزق انسان کو ایسے تلاش کرتا ہے جیسے مرنے والے کو موت۔

۹۔ الفاظ انسان کے غلام ہوتے ہیں لیکن صرف بولنے سے پہلے تک، بولنے کے بعد انسان اپنے الفاظ کا غلام بن جاتا ہے۔

۱۰۔ تین چیزیں ایمان کو تباہ کر دیتیں ہیں:

(۱) امیروں کی محفل (۲) عورتوں کی صحبت (۳) جاہلوں سے بحث

۱۱۔ کسی کی مدد کرتے وقت اس کے چہرے کی طرف مت دیکھو، ہو سکتا ہے کہ اس کی شرمندہ آنکھیں تمہارے دل میں غرور پیدا کر دیں۔

۱۲۔اپنے جسم کو زیادہ مت سنوارو کیونکہ اسے تو مٹی میں مل جانا ہے، سنوارنا ہے تو اپنی روح کو سنوارو کیونکہ اُسے اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

۱۳۔جب تمہاری جان کو خطرہ ہو تو صدقہ دے کر جان بچاؤ اور اگر تمہارے دین کو خطرہ ہو تو جان دے کر دین بچاؤ۔

۱۴۔جو دن تمہارے حق میں ہو اس پر غرور مت کرنا اور جو دن تمہارے مخالف ہو اس پر صبر کرنا۔

۱۵۔ جانور میں خواہش اور فرشتے میں عقل ہوتی ہے اور انسان میں دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔اگر وہ عقل دبالے تو جانور اور اگر خواہش دبالے تو فرشتے کی مانند ہو جاتا ہے۔

امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

جنہیں سرکارِ دوجہاں ﷺ عمر بھر یاد کرتے رہے۔

یہ بات متفق علیہ ہے کہ سب سے پہلے مسلمان ہونے کا اعزاز حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہی کو حاصل ہے۔ ان کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، پہلے دن مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ مسند نبوت پر سرفرازی سے پہلے آپ ﷺ قریش کی آنکھوں کا تارا تھے۔ وہ آپ ﷺ کو صادق و امین بھی مانتے اور دانا و حکیم بھی، وہ آپ کے بلند کردار، صدقِ گفتار اور اعلیٰ اخلاق کے گن گاتے۔ باہمی اختلافات ہوں یا قبائلی جھگڑے، حجر اسود کی تنصیب کا مسئلہ ہو یا ذاتی رنجشیں، محمد ﷺ بن عبد اللہ کا فیصلہ سر آنکھوں پر ہوتا، لیکن جوں ہی مسند نبوت سے کلمہ حق بلند کیا تو کیا اپنے کیا پرائے، سب نے ہی نگاہیں پھیر لیں۔ غیر تو غیر، سگے بھی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو گئے۔ چچا ابو لہب اور ابو جہل کی سرپرستی میں مکہ اور قریش کے بدنام زمانہ غنڈوں نے آپ کا جینا دوبھر کر دیا آپ ﷺ پر آوازیں کستے، بد تمیزی کرتے، پتھر مارتے، گالیاں بکتے، آپ ﷺ کے راستوں میں کانٹے اور غلاظتیں ڈالتے۔ آپ ﷺ کو ستاتے اور تکلیف پہنچانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ آپ ﷺ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے دشنام طرازیوں اور طعن وطنز سے آپ کا کلیجہ چھلنی کر دیتے۔ تو آپ ﷺ انتہائی غمگین اور رنجیدہ ہو کر گھر آ کر لیٹ جاتے۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہی تھیں، جو آپ کی دل جوئی

کرتیں۔آپ ﷺ کا غم کم کرتیں، اپنی دل موہ لینے والی گفتگو اور حوصلہ مندانہ طرزِ عمل سے آپ ﷺ کے عزم و ہمت کو نئی حرارت اور قوت بخشتیں۔یوں آپ ﷺ نئے جوش وولولے کے ساتھ دین کے کام میں مصروف ہو جاتے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قناعت و حکمت ، سنجیدگی و بردباری اور تدبر ومعاملہ فہمی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ابولہب کا گھر آپ ﷺ کے گھر کے ساتھ ملا ہوتھا جب آپ رضی اللہ عنہا گھر کے صحن میں کھانا بنارہی ہوتی تھیں توابولہب کی بیوی صحن کی دیوار سے کھانے پر کوڑا کرکٹ ڈال دیا کرتی تھی۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس بدسلوکی پر کچھ نہ بولتیں اور نہ رسول اللہ ﷺ سے ذکر کرتیں بلکہ اسے نظر انداز کردیتی تھیں۔اگر آپ ﷺ دیکھ بھی لیتے تو ابولہب سے یہ ضرور کہتے کہ چچا ہمسایوں کے ساتھ ایسا سلوک؟اعلان نبوت کے کچھ دن بعد ایک دن حضوراکرم ﷺ نے کعبہ شریف پر جاکر اللہ کی واحدنیت کا اعلان فرمایا۔

کفار مکہ، نبی اکرم ﷺ کے اس اقدام پر غصے سے پاگل ہو گئے اور ہر طرف سے آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے۔جب یہ خبر گھر پہنچی تو حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے بیٹے گھر میں موجود تھے وہ آپ ﷺ کو بچانے کے لیے بیچ میں کود پڑے۔اس طرح آپ ﷺ تو محفوظ رہے لیکن کفار قریش نے غصےّ اور نفرت سے انہیں تلواروں کے وار سے لہولہان کر دیا۔حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ بزرگ وبرتر کی طرف سے ایک گراں قدر انعام اور عظیم نعمت تھیں۔وہ ۲۵ سال آپ ﷺ کی رفاقت میں اس طرح رہیں کہ جب آپ ﷺ پر کوئی آزمائش آتی تو آپ کے لیے تڑپ اٹھتیں،راتوں کو جاگ کر آپ ﷺ کی خدمت کرتیں،آپ ﷺ کے زخموں پر

مرہم رکھتیں، سنگین ترین اور مشکل حالات میں آپ ﷺ کی قوت بازو بنیں تبلیغ رسالت میں آپ ﷺ کی مدد کرتیں۔وہ گھر کے اندر بھی اور گھر کے باہر بھی آپ ﷺ کی بہترین رفیق اور بہترین مشیر تھیں۔اسی لیے تو حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''خدیجہ میری محسن ہیں'' خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت وخدمت ایثار و قربانی،ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ساتھ اور چچا ابو طالب کی سرپرستی نے کفار مکہ کے ہر وار کو ناکام بنایا۔ یہاں تک کہ جب کچھ نہ بن پڑا تو انھوں نے آپ ﷺ کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ یہ بڑے کٹھن لمحات تھے۔آپ ﷺ کے چچا ابو طالب سب کو مکے سے باہر ایک پہاڑی وادی میں لے گئے۔جو بعد میں شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہوئی۔ بائیکاٹ کے یہ تین سال مسلمانوں کے لیے بڑے ہی کٹھن ،کرب وابتلا اور آلام و مصائب کے تھے۔ محاصرے کے یہ تین سال ایثار و قربانی اور ضبط و صبر کے وہ الم ناک سال تھے کہ جو تاریخ عالم میں دین کی سربلندی کے لیے قربانیوں کا ایک سنہرا باب رقم کر گئے۔ بالآخر تین سال بعد حق کی فتح ہوئی اور کفار بائیکاٹ ختم کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن جانکاہ تکلیفوں اور بے پناہ اذیتوں کے ان تین برسوں نے دو ضعیف العمر بزرگ ہستیوں کی صحت پر بڑا برا اثر ڈالا اور محاصرہ ختم ہونے کے چند ماہ بعد ہی یکے بعد دیگرے ابو طالب اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا اللہ کو پیارے ہو گئے۔اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۵ برس اور حضور سرکار دوجہاں کی عمر مبارک ۵۰ برس کی تھی پے در پے آلام و مصائب کے بعد ان دو عظیم ہستیوں کے جدا ہونے کا رسول اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر بڑا اثر ہوا آپ نے اس سال کو ''عام الحُزن''،یعنی غم کا سال قرار دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کے

انتقال کے بعد کفار مکہ کے ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔اب نہ ابو طالب تھے کہ جن کا قریش کو خوف ہوتا اور نہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وہ آغوش تھی کہ جہاں جسمانی زخموں پر بھی مرہم رکھا جاتا اور روح کے گھاؤ کا بھی سدّباب ہوتا۔اب گھر پر معصومہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سمیت معصوم بچے تھے کہ جو دین کی راہ میں اپنے بابا پر ہونے والے مظالم کو دیکھ کر چھپ چھپ کر رونے اور صبر کے علاوہ کیا کر سکتے تھے۔آپ ان دنوں انتہائی رنجیدہ اور غمگیں رہنے لگے تھے۔جان نثاران مصطفیٰ کا حلقہ جس قدر بڑھتا جا رہا تھا مصائب و آلام اور قریش کی آتش عناد کے شعلے بھی فزوں تر ہوتے جا رہے تھے۔وہ آپ کے خون کے پیاسے اور جان کے درپے تھے اور یہی وہ لمحات تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم ملا۔امّ المومنین حضرت خدیجۃالکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون تھیں جنہیں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ کا شرف حاصل ہوا۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ کے تمام بچے ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔جن میں سے سب سے پہلے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت اِم کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

یوں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔حضرت ابراہیمؓ کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں۔آپ کے تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔جب کہ صاحبزادیاں اسلام اور ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے دوسری شادی نہیں کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید دس شادیاں کیں۔ تمام ازواج مطہرات بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ حسب و نسب میں بھی اعلیٰ و ارفع مقام رکھتی تھیں۔ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتی تھیں لیکن اس کے باوجود حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا خلا کوئی پر نہ کر سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر بھر انہیں یاد کرتے رہے اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں یاد کر کے آب دیدہ بھی ہو جایا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تن من دھن سے بے لوث خدمت، ان کی مالی قربانیاں، بیش بہا مشورے، ہمت افزا باتیں بچوں کی اعلیٰ تربیت، بے پناہ محبت اور پیار کو عمر بھر بھول نہ پائے اور دیگر ازواج مطہرات سے ان کا تذکرہ کرتے رہتے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام سے سلام کہلوایا اور جنت میں موتیوں کے محل کی بشارت دی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ رضی اللہ عنہا کو سلام کہلوایا کرتے تھے (صحیح بخاری)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا چوں کہ ازواج مطہرات میں سب سے بڑی ہیں اس لیے آپ کو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کہا جاتا ہے۔ سیرتِ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دنیا کی تمام مسلمان خواتین کے لیے عزم و ہمت اور عمل و بیداری کا ایک عظیم پیغام ہے۔ آج کے اس پر آشوب دور میں کہ جہاں ہر طرف کفر و الحاد کا بازار گرم ہے مسلمان خواتین کو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاری ہوئی جہد مسلسل سے بھرپور زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بناتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے کہ یہی دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات کا راستہ ہے۔

دوسری زوجہ رسول اللہ ﷺ

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

اطاعت وفرماں برداری،ایثار وقربانی کے جذبات سے لبریز دل کی صاف اور بے حد خوش مزاج تھیں۔

شعب ابی طالب کے انتہائی کٹھن اور صبر آزما محاصرے کے خاتمے کے بعد دو عظیم المرتبت ہستیاں یکے بعد دیگرے حضور اکرم ﷺ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئیں۔ چچا ابو طالب کے انتقال کے بعد ہی آپ کی مونس و غم گسار اہلیہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نبی کریم ﷺ بہت اداس اور غمگیں رہا کرتے،ایک طرف اہل قریش کے بڑھتے ہوئے مظالم تھے تو دوسری طرف گھر کے معاملات کے ساتھ معصوم بچّوں کی پرورش اور خبر گیری کا بوجھ پھر ان دو مضبوط سہاروں کے اٹھ جانے سے دعوت دین کے کام میں کافی مشکلات کا سامنا تھا۔اب نہ تو کفار مکہ کو چچا ابو طالب کا خوف تھا اور نہ گھر کے اندر آغوش خدیجہ رضی اللہ عنہا تھی کہ جس پر سر رکھ کر اپنی تمام تکالیف بھول جاتے۔اب آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے جاتے تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غمگیں چہرے اور پر نم آنکھیں اداسی میں مزید اضافہ کر دیتیں۔ گھبرا کر چچا ابو طالب کے گھر کی جانب جاتے تو ان کا خالی کمرہ آب دیدہ کر دیتا۔ یہ دن زندگی کے سب سے کٹھن دن تھے۔ جب ہی تو سرور کائنات ﷺ نے اسے

عام الحزن ''یعنی غم کا سال'' قرار دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی کم کرنے کی جستجو میں فکر مند رہتے ایسے میں ایک صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے انہوں نے اپنی اہلیہ خولہ بنت حکیم اسلمی رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی اور اداسی کا تذکرہ کیا۔ خولہ بھی صحابیہ تھیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رشتے داری کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھریلو معاملات سے بھی بخوبی آگاہ تھیں انہوں نے اپنے شوہر سے کہا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی کا صرف ایک ہی حل ہے کہ وہ کسی سمجھ دار خاتون سے شادی کر لیں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ دین کے سلسلے میں اکثر گھر سے باہر رہتے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہو چکی تھی۔ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں اکیلی ہوتیں ایسے میں برابر کے گھر سے ابو لہب کی بیوی ام جمیل پھول سی معصوم بچیوں کو خوف زدہ اور تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ گھر کے صحن میں غلاظت و کچرا پھینکنا اور بچیوں کو سخت سست کہنا اس کا روز کا معمول تھا ایک دن ایسا ہی ہوا۔ گھر کے صحن میں غلاظت و کچرا پھینکا جا رہا تھا، خوف زدہ و پریشان بچیاں گھر کے ایک کونے میں سہمی کھڑی تھیں خلافِ توقع سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت میں گھر میں داخل ہوئے کہ سر اور کپڑے مٹی سے اٹے پڑے تھے۔ بچیوں نے اپنے بابا کو اس حال میں دیکھا تو بے اختیار لپٹ گئیں ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے چہرہ غم و غصے سے سرخ ہو گیا۔ اشکوں کی لڑیوں نے معصوم چہروں کو تر کر دیا۔ کلیوں کی طرح نازک بیٹیوں کو اپنے بابا کا سر دُھلاتے ہوئے آج امّاں بہت یاد آ رہی تھیں۔ وہی تو ایسے وقتوں میں بابا کے دکھوں میں

مداوا تھیں۔ بچیوں کی پر نم آنکھوں نے بابا کے کلیجے کو کاٹ کے رکھ دیا بچیوں کے ننھے ننھے نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں آئے تو خود بھی آب دیدہ ہو گئے بچیوں کو پیار سے تسلّیاں دیتے ہوئے فرمایا "اے میری لخت جگر! تم غم نہ کرو۔ اللہ تمہارے بابا کو تنہا نہیں چھوڑے گا"۔ ابھی باپ بیٹیاں ایک دوسرے کے دکھوں کو بانٹ ہی رہے تھے کہ گھر کے دروازے پر دستک ہوئی اور خولہ بنت حکیم اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئیں۔ گھر کی اداس فضا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ملال کے اثار دیکھے تو اپنے دل کی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار کر دی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ بہت غمگیں رہتے ہیں آپ کو کسی مونس و رفیق کی ضرورت ہے۔ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان، کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی ایک خاتون کے بارے میں نہ بتاؤں کہ جو کم از کم گھر اور بچوں کی تربیت و دیکھ بھال کی حد تک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر کو کم کر دیں"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "خولہ تم کس کی بات کر رہی ہو؟" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں سودہ بنت زمعہؓ کی بات کر رہی ہوں جو اب بیوہ ہیں وہ سنجیدہ اور بردبار خاتون ہیں گھر کے معاملات اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے نہایت موزوں ہوں گی، حضرت خولہ نے وضاحت پیش کی۔ اچھا اگر تم سکران بن عمرو کی بیوہ کے بارے میں بات کر رہی ہو تو ان سے بات کر کے دیکھ لو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی پر خولہ فوری طور پر سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچیں۔ ان سے اور ان کے والد سے بات کی دونوں اس رشتے پر راضی اور خوش تھے تمام مراحل طے ہونے کے بعد حضو اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد زمعہ

نے نکاح پڑھایا آپ کا مہر چار سو درہم مقرر ہوا یہ نکاح ماہ شوال میں نبوت کے دسویں سال میں ہوا۔اس وقت حضرت سودہؓ کی عمر 50 برس تھی جب کہ سرور دوجہاں حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک بھی 50 برس ہی تھی۔چوں کہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے اس لیے مورخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے۔ابنِ اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت سودہ جب کہ عبداللہ بن عقیل حضرت عائشہؓ کو مقدم سمجھتے ہیں۔(زرقانی ج۳ص ۲۶۰)مورخین کی اکثریت نے حضرت سودہؓ ہی کو ازواج مطہراتؓ میں دوسرے نمبر پر لکھاہے۔ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام الاسود ہے آپ کا تعلق قریش کے ایک معزز قبیلے ”عامر بن لوی“ سے تھا۔ آپ کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا جن کے بطن سے ایک صاحبزادے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے حضور ﷺ سے آپ کے نکاح کے وقت یہ جوان تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ سولہ ہجری میں فارس میں جلولا کے مقام پر لڑی جانے والی جنگ میں شہید ہوئے۔اس طرح حضرت سودہؓ کو ایک شہید کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت سودہؓ اور آپ کے شوہر حضرت سکران کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔

دعوت توحید کے ابتدائی تین برسوں میں جن ۱۳۳افراد نے اسلام قبول کیا ان میں آپ دونوں بھی شامل تھے۔جب حبشہ کی جانب ہجرت کا حکم ہوا تو آپ دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ فرمائی۔ جہاں کئی سال تک مقیم رہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ”میں نے خواب دیکھا کہ میں تکیے پر سر رکھے لیٹی تھی کہ آسمان سے چاند ٹوٹ کر

مجھ پر آ گرا۔ میں نے اس خواب کا تذکرہ اپنے شوہر سے کیا تو انہوں نے جوب دیا کہ اگر تم سچ کہتی ہو تو میں جلد ہی انتقال کر جاوں گا۔ اور حضور اکرم ﷺ سے تمہارا نکاح ہو جائے گا۔ چنانچہ اس روز کے بعد سے سکران بیمار پڑ گئے اور چند دنوں بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا اور پھر عدت کے بعد حضور ﷺ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ مکی زندگی میں حرم نبوی میں جن دو عظیم المرتبت امہات المومنین کو داخلے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت خدیجہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ نبوت کے تیرہویں سال حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے کچھ عرصے بعد آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا ان کے ساتھ حضرت سودہ دونوں صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئیں۔ امہات المومنین میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ دراز قامت اور فربہ اندام تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں۔ (صحیح بخاری، جلد ۲ ص ۷۰۷) آپ رضی اللہ عنہا فطرتاً اور طبعیتاً صالح، سنجیدہ، بردبار، عالی ظرف بلند حوصلہ، دور اندیش شائستہ مزاج اور ایثار و قربانی کے جذبوں سے لب ریز، محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ بزرگوں کی اطاعت، بچوں سے محبت اور سب کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو خوش رکھنا ان کی حیات کا مقصد تھا۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے والہانہ اور قابل رشک مشفقانہ رویہ رکھتیں۔ ان سے حقیقی ماں کی طرح محبت کرتیں انہیں ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دیتیں۔ مہربان اور شفیق ماں کے طور پر سائے کی طرح ان کے ساتھ رہتیں انہوں نے بچیوں کی نگرانی اور

تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضور ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتیں۔ کوشش کرتیں کہ حضرت خدیجہؓ کی طرح آپ کی خدمت کریں آپ کا حوصلہ بڑھائیں اور آپ کو خوش رکھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی بڑی تعریف کیا کرتی تھیں ان کا قول ہے کہ ''عورتوں میں سوکن ہونے کا جذبہ رقابت ہوتا ہے اس سے میں نے ایک عورت کا خالی ہونا دیکھا ہے اور وہ تھیں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا'' ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''سوائے سودہ رضی اللہ عنہا کے کسی اور عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہوتی''۔ بلاشبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے بڑی محبت کیا کرتیں تھیں۔ اگرچہ حضرت سودہؓ کے مزاج میں قدرے تیزی تھی۔ جلد غصے میں آ جایا کرتی تھیں لیکن دل کی بڑی صاف، بڑی خوش مزاج ہنس مکھ اور حس ظرافت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ اکثر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خوش طبعی فرمایا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس حریرہ بنا کر لائی۔ اس وقت حضرت سودہؓ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں، میں نے سودہؓ سے کہا کہ آپ بھی کھائیں۔ انہوں نے کسی وجہ سے انکار کیا تو میں نے حریرے سے ہاتھ بھر کر ان کا منہ بھر دیا۔ آپ ﷺ یہ دیکھ کر مسکرائے اور پھر حضرت سودہؓ سے فرمایا کہ تم ان کا منہ بھر دو تو حضرت سودہؓ نے حریرہ لے کر میرا منہ بھر دیا اس پر آپ ﷺ پھر مسکرائے۔ امّ المومنین حضرت سودہؓ بڑی فیاض، دریادل اور سخی تھیں۔ آپ کی سخاوت کی وجہ سے کئی حاجت مند اپنی ضروریات زندگی پوری کر لیتے تھے آپؓ دست کاری کے فن میں ماہر تھیں۔ اور اپنی حرفت سے جو

آمدنی ہوتی اس کا بیش تر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔ خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو وظائف ملنا شروع ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہا اپنی رقم حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتیں۔ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کی خدمت میں کھجوروں والا ایک بورا ،درہموں سے بھر کر بھیجا آپؓ نے لانے والوں سے پوچھا اس میں کیا ہے ؟جواب میں بتایا گیا کہ اس میں درہم ہیں تو فرمایا'' کھجوروں کے تھیلے میں درہم بھیجے جاتے ہیں'' یہ کہہ کر سب درہم اسی وقت غریبوں میں تقسیم کر دیئے۔ایک مرتبہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے صحرا کی جانب جارہی تھی راستے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مل گئے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ذرا بھاری بھر کم تھی اور قد بھی نمایاں تھا لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو پہچان لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا ناگوار گزرتا تھا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں امہات المومنینؓ کے پردے کی تحریک پیش کر چکے تھے (لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے خاموش رہتے تھے کہ اس وقت تک پردے کا حکم نہیں آیا تھا)حضرت عمرؓ نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ ''سودہؓ ہم نے تم کو پہچان لیا ہے''حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔اور اسی واقعہ کے بعد ''آیات حجاب'' نازل ہوئیں۔(صحیح بخاری۔ا ص26)

دس ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں چوں کہ آپ فربہ اندام تھیں لہذا تیزی سے چل پھر نہیں سکتی تھیں اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کو دوسرے لوگوں سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہونے کی اجازت دے دی تاکہ انہیں بھیڑ بھاڑ میں تکلیف نہ ہو۔(صحیح بخاری

ج ا ص 228)اس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی بدولت امت کے ضعیف العمر، لاغر اور کمزور افراد کو حج میں مزدلفہ سے رات کے پچھلے پہر جانے کی سہولت میسر آئی۔ ابن سعد سے روایت ہے کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقعے پر اپنی ازواج مطہراتؓ کے لیے ارشاد فرمایا کہ ''چوں کہ انہوں نے حج کرلیا ہے اس لیے ان کے لیے بہتر ہے کہ اس کے بعد اپنے گھروں پر بیٹھیں''۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تمام ازواجِ مطہراتؓ حج کیا کرتی تھیں مگر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حج نہیں کرتی تھیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر من و عن عمل کیا۔ حضرت سودہؓ فرماتی تھیں کہ ''میں نے حج اور عمرہ دونوں کر لیے ہیں اب میں اللہ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق گھر سے باہر نکلوں گی۔''اس کے بعد وہ زندگی بھر سورۃ احزاب کی آیت ۳۳ : وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (ترجمہ : اپنے گھروں میں قرار سے رہو)اور حجتہ الودع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے گھر سے باہر نہ نکلیں۔ سیرت کی مختلف کتابوں میں ایک اور واقعہ بھی درج ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آرہی تھیں دونوں نے مزاح کے طور پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''سودہ تم نے کچھ سنا'' انہوں نے جواب دیا! کیا؟ کہنے لگیں کہ دجال ظاہر ہو گیا ہے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو فوراً خوفزدہ ہو کر ایک خیمے میں جا گھسیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہنستی ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مذاق کے بارے میں بتایا۔

آپ ﷺ فوری خیمے کے دروازے پر تشریف لائے تو خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجّال نہیں نکلا باہر آجاؤ۔ آپ ﷺ کی آواز سن کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا باہر آئیں تو آپؓ پر خوف طاری تھا اور بدن پر مکڑی کا جالا لگا ہوا تھا جسے باہر آکر صاف کیا۔(الاصابہ ج۸ ص۶۵)

ایک مرتبہ ازواج مطہراتؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا" یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے پہلے کس کا انتقال ہوگا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا! جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے۔ سب ظاہری ہاتھ سمجھے اور ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا ہاتھ کے بڑے ہونے کا مطلب سخاوت و فیاضی تھا۔ آپؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں بائیس ہجری کو رحلت فرمائی۔ آپؓ نے سرکار دوعالم ﷺ کی رفاقت میں ۱۴ برس گزارے وفات کے وقت آپ کی عمر 72 سال تھی آپ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت یحیٰ بن عبدالرحمٰن بن عبدالرزاق نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

تیسری زوجہ رسول ﷺ

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

جن کی پاکیزگی اور حُرمت کی گواہی خود اللہ نے دی

دروازے پر دستک ہوئی، خادمہ جا کر دیکھتی ہے، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں کہ ''کون آیا ہے؟'' جواب ملتا ہے کہ ''امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم بھیجے ہیں۔'' فرماتی ہیں کہ ''اسے ڈیوڑھی میں رکھ دو اور غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں میں باٹنا شروع کردو''۔ رقم بانٹتے ہوئے شام ہو جاتی ہے۔ آج ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا روزہ بھی ہے۔ افطار کے وقت خادمہ سوکھی روٹی اور پانی کا پیالہ رکھ دیتی ہے اور کہتی ہے ''آپ اپنے لیے کچھ رکھ لیتیں، تو میں آپ کے لیے سالن تیار کردیتی''۔ فرماتی ہیں کہ ''ہاں مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ رمضان کے دن ہیں''۔ خادمہ نے افطار کے لیے بڑے دن بعد تازہ روٹی اور سالن تیار کیا، کھانا دستر خوان پر رکھا۔ ادھر جیسے ہی افطار کا وقت ہوا اچانک سائل دروازے پر دستک دیتا ہے۔ سائل کی آواز سن کر جو کچھ دستر خوان پر موجود ہے، سب اسکے حوالے کردیتی ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے کے دروازے کی آڑ سے یہ منظر دیکھ رہی ہیں اور خود بھی روزے سے ہیں۔ اپنے لیے تیار کردہ تمام حریرہ جلدی سے پڑوس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھیج دیتی ہیں۔ خود پانی سے روزہ کھولتی ہیں۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حریرہ آنے پر خادمہ سے فرماتی ہے کہ ''دیکھو! اللہ نے روزہ کھولنے کا کتنا اچھا بندوبست کیا''۔ حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام ازواجِ مطہراتؓ کا دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا، لیکن آپ رضی اللہ عنہا کا وظیفہ 12 ہزار درہم مقرر فرمایا کہ آپؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے محبوب اہلیہ تھیں۔ جیسے ہی پیسے آتے، اسی دن شام ہونے سے پہلے تقسیم کر دیتیں۔ ایک دن حضوا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا "یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مجھے آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ رکھے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم یہ چاہتیً ہو تو کل کے لیے کھانا نہ بچا رکھو، اور کسی بھی کپڑے کو جب تک اس پر پیوند نہ لگیں بے کار نہ کرو" آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات اس طرح گرہ میں باندھی کہ پوری زندگی اس پر عمل پیرا رہیں۔ سخاوت، فیاضی، دریادلی کی پیکر، غریبوں اور مسکینوں کی ملجا، مسکینوں و دولت سے مستغنی، خاتون کوئی اور نہیں، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم قدم کے ساتھی، یارِ غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نورِ نظر، امّ رومان کی لختِ جگر، شہنشاہ دوعالم، سرورِ کائنات، ساقیِ کوثر، شافعِ محشر، سیّد عرب و عجم، امام الانبیاء، سیّد المرسلین، محبوبِ رب العالمین، حضرت محمد مصطفٰی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین رفیقۂ حیات، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (حمیراؓ) تھیں کہ جو جگر گوشہ خلیفہ، شمع کاشانہ نبوتؐ، آفتابِ رسالت کی کرن، گلستانِ نبوت کی مہک، مہر و وفا اور صدق وصفا کی دل کش تصویر تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ جن کی پاک دامنی، عفت، عظمت کی گواہی خود اللہ بزرگ و برتر نے دی جن کی شان میں قرآنی آیات کا نزول ہوا۔ سورۂ نور کی سترہ آیات جن کی پاکیزگی کی گواہ ہیں۔ جن کو اللہ نے فہم و فراست، متانت و ذہانت، سخاوت، وسیع القلبی، قوتِ حافظہ اور اجتہاد و فکر کی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ جو عالمہ بھی ہیں اور معلّمہ بھی۔ فقیہ بھی ہیں اور فاضلہ بھی، مفسرہِ قرآن بھی ہیں اور محدثہ بھی، جو شیریں کلام بھی اور فصیح اللسان بھی۔ حضرت عائشہؓ کہ جن کا دل مہر و محبت، عفو و در گزر، محبت و شفقت کا خزینہ تھا، جو تعلیماتِ نبویؐ کی مکمل تصویر تھیں۔ جنہیں زندگی ہی میں لسانِ رسالتؐ سے جنّت کی بشارت ملی۔ وہ بلند پایہ معلمہ کہ جن کا علمی مرتبہ اتنا بلند کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر علم کی پیاس بجھایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ دنیا بھر کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لیے رشد و ہدایت کا وہ انمول خزینہ ہے کہ جس کو مشعل راہ بنا کر اپنے دنیاوی گھر کو جنت نظیر اور آخرت کے گھر کو جنت الفردوس میں تبدیل کر سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہؓ نے دریافت کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے نزدیک سب سے بہترین کون ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عائشہؓ'' پھر پوچھا گیا کہ ''مردوں میں سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟'' فرمایا ''عائشہؓ کے والد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ سے بے حد محبت کرتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''عائشہؓ کو خواتین پر ویسی ہی فضیلت ہے، جیسے تمام کھانوں پر ''ثرید'' کو'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امہات المومنین میں سے سب زیادہ قلبی لگاؤ اور طبعی میلان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ازورج مطہراتؓ کے درمیان مکمل عدل و انصاف و مساوات قائم رکھتے تھے، لیکن جہاں تک طبعی میلان کا تعلق ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے۔ ''اے اللہ تو جانتا ہے کہ اس پر میرا اختیار نہیں'' نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رفیقہ حیاتؓ کے مزاج سے بخوبی واقف تھے۔ ایک دن

آپ ﷺ نے پیار سے فرمایا ”اے عویش (آپ کبھی کبھی پیار سے حضرت عائشہؓ کو عویش کہا کرتے تھے) جب تم ناراض ہوتی ہو اور جب خوش ہوتی ہو، تو میں پہچان لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ بڑی حیران ہوئیں اور فرمایا ”یارسول اللہ ﷺ آپ کس طرح پہچانتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جب تم خوش ہوتی ہو، تو لاورب محمد (نہیں محمد ﷺ کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہو، تو لاورب ابراہیم (نہیں ابراہیم کے رب کی قسم) کہہ کر قسم کھاتی ہو“ حضرت عائشہؓ نے مسکراتے ہوئے عرض کیا ”یارسول اللہ ﷺ بے شک آپ ﷺ نے صحیح پہچانا، ایسا ہی ہے۔“

نبوت کے چوتھے برس ماہ شوال میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ عنہا کے گھر اللہ نے ایک نہایت خوب صورت چاند سے زیادہ حسین اور خوش نصیب بچّی پیدا فرمائی کہ جسے مستقبل میں امت کی ماں اور اللہ کے محبوب و عجم کے شہنشاہ کی رفیقِ حیات کے نہایت مقدس و متبرک اعزاز سے نوازا جانا تھا۔ آپؓ کا نام عائشہ، لقب صدیقہ اور حمیرا تھا کنیت ام عبداللہ تھی۔ (عبداللہ آپ کے بھانجے تھے) والدہ کا نام زینب، کنیت ام رومانؓ تھی۔ اسلام کی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں، جن کے کانوں نے کبھی شرک و کفر کی آواز نہیں سنی۔ آپ خود فرماتی ہیں کہ ”جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا انہیں مسلمان ہی پایا“ (بخاری) حضور اکرم ﷺ ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں کہ ”اے عائشہؓ میں نے نکاح سے پہلے تم کو دو مرتبہ خواب میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ تم ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو، ایک فرشتہ تمہیں لاتا ہے اور کہتا ہے کہ ”یہ آپ کی

اہلیہ ہیں‘‘ میں دیکھتا ہوں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تم ہو۔ میں خواب میں کہتا ہوں کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے، تو وہ اسے خود ہی پورا کرے گا۔ (بخاری و مسلم) اللہ تعالیٰ کے اس اشارے پر نبی کریم ﷺ نے حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کے ذریعے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت کے دستور کے پیشِ نظر فرمایا کہ ’’ عائشہ تو حضور اکرم ﷺ کی بھتیجی ہے، کیا اس کا نکاح ممکن ہے؟‘‘ خولہ نے حضور اکرم ﷺ کو بتایا، تو آپ نے فرمایا’’ ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے‘‘ حضور اکرم ﷺ کے اس جواب پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خوش ہوگئے۔ اس طرح منہ بولے بھائیوں کے بچّوں سے شادی نہ کرنے کے عرب کے قدیم نظام کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کرتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شوال 10 نبوی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سادگی سے کر دیا۔ یہ نکاح حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے کچھ دن بعد ہوا۔ حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باہر بچیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں کہ ان کی ملازمہ آئی اور انہیں گھر لے گئی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں موجود تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھایا۔ 500 درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 6 سال تھی۔ اس وقت عرب کے رواج کے مطابق بچیوں کا نکاح بچپن ہی میں کر دیا جاتا تھا۔ نکاح کے بعد آپ تین سال میکے ہی میں رہیں۔ نبی برحق ﷺ ہجرت فرما کے اپنے یارِ غارِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ تشریف لا چکے ہیں۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے ساتھ ہی دو حجروں کی تعمیر بھی مکمل ہو چکی ہے۔ اب آپ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کو مدینہ بلانے کا

فیصلہ کیا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ کر دیا۔ ان کے ساتھ ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن اریقط رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کر دیا، تاکہ ان کے اہل و عیال بھی مدینہ آجائیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہ حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو لے کر مدینہ تشریف لے آئیں اور مسجد نبوی سے متصل حجرے میں قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ زوجہ ام رومانؓ، بیٹے عبد اللہ، صاحبزادیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسما رضی اللہ عنہا بھی مدینہ آ گئیں اور اپنے والد کے گھر محلہ حارث بن حزرج میں قیام فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر اپنے ابتدائی دنوں کو یاد کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ”جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں میری سہیلیاں، اپنی گڑیاں لے کر مجھ سے کھیلنے آجایا کرتی تھیں۔ ایسے میں جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لاتے، تو میری سہیلیاں شرم اور خوف کے باعث کسی مکان میں چھپ جایا کرتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ دیکھتے تو میری خاطر انہیں اکٹھا کر کے لاتے اور ان سے کہتے کہ تم عائشہؓ کے ساتھ کھیلو“ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہؓ اپنے بچپن کے دنوں کو یاد کرتے ہوے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: ”عائشہؓ یہ کیا ہے؟“ میں نے جواب دیا۔ یارسول اللہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا ہے، جس کے پر تھے“ میری اس حاضر جوابی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ”ہم ایک سفر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے، جب ہم وادیٔ بیضا یا ذات الجیش پہنچے، تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، میں نے اس کی اطلاع فوری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہار کی تلاش کے لیے یہاں

قیام فرمایا۔ دوسرے سب لوگ بھی ٹھہر گئے، مگر وہاں کہیں بھی پانی نہ تھا۔ لوگ میرے والدِ ماجد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ "آپ نہیں دیکھتے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا؟ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب لوگوں کو ٹھہرا لیا اور یہاں پانی بھی نہیں ملتا اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے۔" یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محوِ استراحت تھے۔ ابو بکر صدیق کہنے لگے، "تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب کو یہاں ٹھہرا لیا، حالانکہ ان کے پاس پانی نہیں ہے اور نہ اس جگہ دستیاب ہے" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "والد صاحب مجھ پر ناراض ہوئے۔ صبح کے وقت جب اس بے آب مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے آیات تیمم نازل فرمائیں، چنانچہ لوگوں نے تیمم کر لیا۔ اس وقت حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا "اے آلِ ابو بکر تم لوگوں کے لیے سرمایہ ہو" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "جس اونٹنی پر میں سوار تھی، جب جانے کے لیے اسے اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے سے مل گیا (صحیح بخاری کتاب التیممّ حدیث 233) صحابہ پانی نہ ہونے پر تیمم کی اس نئی سہولت پر بڑے خوش تھے۔ اس طرح حضرت عائشہؓ رہتی دنیا تک امتِ مسلمہ کے لیے پانی میسر نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنے کی بابرکت آسانیوں کا باعث بنیں۔ جوں جوں مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہو رہی تھیں، توں توں ان کے مالی حالات بھی بہتر ہوتے جا رہے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں فقر و فاقہ عام بات تھی، بعض اوقات تو نوبت یہاں تک آجاتی کہ کئی کئی دن تک چولھا نہ جلتا۔ روزانہ کی یہ تنگی و افلاس بعض دفعہ سخت پریشانی کا باعث بنتی۔ سیرت و کردار کی مضبوطی کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے کے

قریب ہو جاتا، ایسے ہی ایک نازک لمحے میں ازواج مطہراتؓ نے نبی بر حق ﷺ سے اضافی رقوم کا مطالبہ کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو امہات المومنینؓ کے اس مطالبے پر شدید رنج ہوا اور آپ ناراض ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ایک ماہ تک ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی اور بالا خانے پر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اللہ بزرگ و برتر کو اپنے پیارے محبوب ﷺ کا اس طرح رنجیدہ اور پریشان ہونا پسند نہیں آیا۔ حضرت جبرئیل علیہ اسلام کو سورۃ الاحزاب آیت نمبر 28 اور 29 دے کر بھیجا، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
"اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بہتر طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلب گار ہو، تو تم میں جو نیکو کار ہیں، ان کے لیے اللہ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علمی حیثیت میں ازواجِ مطہراتؓ پر فوقیت حاصل تھی

29 ویں دن اللہ کے رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اللہ کا پیغام ان کے سامنے رکھا اور فرمایا "اے عائشہؓ! "اللہ نے دونوں راستے بتا دیے ہیں، جواب دینے میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔"
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معاملہ فہم، مضبوط قوتِ فیصلہ کی حامل، انتہائی سمجھ دار اور دور اندیش خاتون تھیں۔ فوراً ہی اندازہ کر لیا کہ اللہ کو ازواجِ مطہراتؓ کی یہ بات پسند نہیں آتی، اس لیے اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کی اس رضا کو اپنی رضا سمجھتے ہوئے فرمایا "یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس معاملے پر مشورہ کرنے اپنے والدین کے گھر جاؤں؟ میرے لیے تو

اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کافی ہیں، میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں‘‘ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ کو وہ وقت یاد آگیا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ ’’اے ابو بکرؓ! اللہ کی راہ میں دینے کے لیے سب کچھ لے آئے، گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟‘‘ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب تھا ’’ہمارے لیے اللہ اور اس کے محبوب رسول ﷺ ہی کافی ہیں‘‘ آج صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے منہ سے یہی الفاظ سن کر آپ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ ان کے بعد دیگر ازواج مطہراتؓ نے بھی ناپسندیدہ مطالبے پر شرمندہ ہوتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ کی رفاقت ہی کو اپنے لیے پسند اور قبول فرمایا۔ آج ہماری تمام بہنیں اور بیٹیاں، امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواجِ مطہراتؓ کی طرح صبر و قناعت و شکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کو اپنی رضا سمجھ لیں، تو ان کا دنیاوی گھر بھی جنت نظیر ہوگا اور جنت میں تو اللہ نے ایک بڑے انعام کا وعدہ کر ہی رکھا ہے۔ واقعہ افک، سیرت اور احادیث کی کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ 5 ہجری کی بات ہے، نبی کریم ﷺ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی سرکوبی کے بعد جنگی قیدیوں اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو تھیں لیکن رئیس المنافق عبداللہ بن ابی بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل تھا۔ رات میں ایک جگہ پڑاؤ پڑا، تو پچھلے پہر اندھیرے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئیں۔ واپسی پر ان کے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کے موتی ڈھونڈ کر جمع کرنے میں

دیر لگی۔اسی اثناء میں اسلامی لشکر وہاں سے روانہ ہو گیا، کیوں کہ آپ ایک کم سن اور ہلکی پھلکی لڑکی تھیں،اسی لیے ہودج اٹھانے والوں کو احساس ہی نہ ہوا اور انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔آپ رضی اللہ عنہا جب وہاں پہنچیں تو قافلہ جا چکا تھا۔آپ رضی اللہ عنہا اپنی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں، حضرت صفوانؓ جو اسلامی لشکر کے پیچھے رہتے تھے، صبح کے وقت ان کے قریب پہنچے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر انہوں نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ حضرت صفوانؓ نے انہیں اونٹ پر بٹھایا اور خود نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے اور دوپہر کے وقت اسلای لشکر سے جا ملے۔عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کو موقع ملا۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر چرچا کرنا شروع کر دیا۔اسی اثناء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں، جب بیماری سے افاقہ ہو اور اس تہمت کا علم ہوا تو اپنی والدہ کے گھر چلی گئیں۔ والدہ نے تسلی دی۔ اسی اثنا میں ایک انصاری عورت گھر آئی اور اسی تہمت کا ذکر کرنے لگی۔ حضرت عائشہؓ نے اس عورت سے دریافت کیا کہ ''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے والد کو یہ بات پتا ہے؟'' اس نے کہا کہ ''ہاں'' یہ سن کر معصوم حضرت عائشہ صدیقہؓ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ہوش آیا تو انتہائی سخت بخار چڑھا ہوا تھا۔ والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے ان کے اوپر لحاف ڈال دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ روتے روتے ان کا کلیجہ پھٹ جائے گا، آنسو تھمتے نہ تھے اور نہ ہی نیند آتی تھی۔اسی طرح بھوکے پیاسے کئی دن گزر گئے۔ اسی ثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا ''اللہ کی قسم! بجز بھلائی کے اور کچھ

نہیں جانتی۔‘‘حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا، تو انہوں نے کہا’’میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسی طرح بے قصور جانتی ہوں جس طرح جوہری خالص سونے کی ڈلی کو بے عیب جانتا ہے‘‘ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نصیحت آمیز کلمات کہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ’’اگر میں یہ کہوں کہ میں بَری ہوں تو آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے اور اگر میں اقرار کرلوں، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں بَری ہوں، تو آپ لوگ مجھے سچا سمجھیں گے۔ اللہ کی قسم میں اپنی اور آپ لوگوں کی مثال یوسف علیہ السلام کے باپ کی مثال سمجھتی ہوں۔ میں بھی ان کی طرح صبر کرتی ہوں، اللہ ہی میرا مددگار ہے۔‘‘ یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روتے ہوئے منہ پھیر کر لیٹ گئیں۔ اتنے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیات نازل فرما کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت سے بَری کردیا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک) سورۂ نور کی ان ہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے ایسے جھوٹے بہتان کے لیے قانون وضع کردیا تاکہ آئندہ مسلمان بچیوں، بہنوں اور بیٹیوں پر بلا ثبوت بہتان اور تہمت لگانے والے، اللہ کے قانون کی پکڑ میں آسکیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معصومیت، پاکیزگی اور برأت کا اعلان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے، جو دنیا کی کسی اور عورت کو میسر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیاتِ برأت کے نزول کی تصدیق کرتے ہوئے مبارک باد دی، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ’’میں ماں، باپ یا اپنے شوہر کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے اس ذات کا شکریہ ادا کروں گی، جس نے میری پاک دامنی کی

گواہی دی۔ یوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے اللہ نے رہتی دنیا تک کے لیے حدود سے متعلق بہت سے قانون وضع کر دیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں شدت آتی جا رہی تھی، آپ کی خواہش پر تمام ازواجؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں قیام کی اجازت دے دی تھی۔ وصال سے قبل کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ ''اے عائشہ، وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد اپنے اللہ سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ اور ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو'' وفات سے کچھ دیر قبل حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمن سے مسواک لے کر اور اسے چبا کر نرم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اور یہیں تدفین ہوئی۔ حضرت عائشہؓ بڑے فخر سے یہ بات کہتی تھیں کہ ''ازواجِ مطہراتؓ میں مجھے اس بات پر فخر ہے کہ آخر وقت میں میرا لعابِ دہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دہن میں پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری گود میں جان، جانِ آفریں کے سپرد کی اور میرے ہی حجرے میں آپ کی تدفین ہوئی'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ نے 48سال بیوگی کی حالت میں گزارے۔ آپ رضی اللہ عنہا اسی حجرے میں رہتی رہیں، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے دو سال بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، ان کی تدفین بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرے میں ہوئی۔ پھر بھی آپ حجرے کے شمالی کونے میں بدستور رہتی رہیں درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ آپ فرمایا کرتی تھیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد محترم'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے 13سال بعد یکم محرم 24 ہجری کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

شہید ہوئے، تو آپ رضی اللہ عنہ کی خواہش اور درخواست پر آپ نے حجرے میں اپنی تدفین کے لیے رکھی گئی جگہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دے دی اور فرمایا ''میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی ،اس لئے روضہ اطہر کے اندر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ محرم نہیں تھے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرے کے اندر اپنے رہائشی حصّے اور قبور مبارکہ کے درمیان دیوار بنوادی تھی۔اس طرح آپ نے رہتی دنیا تک کی خواتین کے لیے نامحرم سے پردے اور احترام کا لازوال پیغام دیا۔آپ رضی اللہ عنہا اپنی وفات تک حجرے کے شمالی حصّے ہی میں مقیم رہیں۔آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی کے 58 سال اسی حجرے میں گزارے۔آج بھی اصل حجرے میں تینوں قبورِ مبارکہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، جن کے گرد پنج گوشہ قد آور دیوار ہے، جس میں کوئی دروازہ نہیں ہے حضرت عائشہؓ کے اس حجرے میں حضرت عمر فاروقؓ کے برابر میں ایک جگہ خالی ہے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تدفین ہو گی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر اتریں گے۔وہ 45 سال تک زندہ رہیں گے۔ وہ یہاں شادی کریں گے، ان کے یہاں اولاد ہو گی اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ،ابو بکرؓ اور عمرؓ اکٹھے اٹھیں گے۔(مشکوۃ شریف)حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ آپؓ کے حجرے سے دو جلیل القدر پیغمبر اور دو عظیم المرتبت اصحاب رسول قیامت میں اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے امت کی معلمی کی مسند پر جلوہ افروز ہو کر اپنے آپ کو امت کی تعلیم وتربیت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ علمی حیثیت سے انہیں تمام ازواجِ مطہراتؓ اور چند ایک کو چھوڑ کر، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فوقیت حاصل تھی۔ عطا تابعیؒ فرماتے ہیں کہ "ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقہ کو جاننے والی، صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں۔" (مستدرک حاکم) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، تاریخ اور نسب کا عالم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا" (زرقانی) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیمات واقدامات تمام امت مسلمہ کے لیے عمل وہدایت کا بہترین سرچشمہ ہیں، لیکن طبقہ نسواں کے لیے آپ رضی اللہ عنہا کے عظیم احسانات ہیں۔ آپؓ نے خواتین کے سلسلے میں قرآن وحدیث کے احکامات کو عام افراد میں عام کرنے اور ان کے باہمی خانگی معاملات میں شعور پیدا کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا ادراک تھا کہ عورت اسلام سے پہلے انسانی معاشروں میں عزت واحترام اور اپنے بنیادی حقوق سے محروم رہی ہے اور اب اسلام ہی صرف وہ دینِ فطرت ہے کہ جس نے عورت کو ذلت کی دلدل سے نکال کر عزت واحترام کے اعلیٰ درجوں پر فائز کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے طرز عمل سے پوری دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ ایک مسلمان عورت دنیا کے کسی بھی شعبے میں مردوں سے پیچھے نہیں۔ چند فطری پابندیوں کے باوجود اسلام عورت کو مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیں غزوات کے میدانوں میں مجاہدین اسلام

کے ساتھ مل کر مشرکین کے ساتھ بھی نبرد آزما نظر آتی ہیں، طب کے میدان میں ضرورت مندوں کا علاج کرتی ہوئی بھی، دینی معاملات کی صحیح رہنمائی کے لیے فتویٰ جاری کرتی نظر آتی ہیں، تو حج میں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں پردے کی اوٹ سے حاجیوں کی تعلیم و تربیت دیتے ہوئے بھی، نبی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو درست پس منظر میں سیاق وسباق کے ساتھ بیان کرتی نظر آتی ہیں، تو خواتین اور بچیوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتی اور حضور اکرم ﷺ کی بیان کردہ احادیث کو درست انداز میں بیان کرتی نظر آتی ہیں۔ غرض کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ امت اور خاص طور پر طبقہ نسواں کے حقوق وفرائض کی علم برداری اور تعلیم و تربیت کے لیے وقف تھا اور اس معاملے میں سخت ترین موقف اختیار کرتی تھیں۔ ان کی اس جہدِ مسلسل کے نتیجے میں خواتین میں برتری کا احساس اجاگر ہوا اور ان میں بے پناہ قوتِ عمل بیدار ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں تاریخِ اسلام میں ایسی بے شمار خواتین نظر آتی ہیں، جنھوں نے علم و عمل دونوں میدانوں میں عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ لہذا تمام بہنوں، بیٹیوں اور خاص طور پر حقوقِ نسواں کی علم بردار بچیوں کو چاہیے کہ زندگی میں ایک بار ضرور سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بغور مطالعہ کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ مطالعہ ان کی حقوقِ نسواں کی جدوجہد کی صحیح اور مثبت سمت پر گامزن کرنے میں نہ صرف معاون ومددگار ثابت ہوگا بلکہ ان شاءاللہ کامیابی کا سرخیل بھی ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ، محدثہ، مفسرہ خاتون تھیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد دوہزار دوسودس ہے۔ جن میں سے 174 احادیث بخاری و مسلم دونوں میں موجود

ہیں۔ 54 احادیث ایسی ہیں کہ جو بخاری شریف میں ہیں۔ 68 احادیث کو امام مسلم نے صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے۔ باقی حدیثیں دیگر احادیث کی کتابوں سے مذکور ہیں۔ آپؓ نہایت عبادت گزار، متقّی دپرہیز گار تھیں۔ تہجد کی نماز اور چاشت کی نماز کبھی نہیں چھوڑتی تھیں۔ اکثر روزے رکھتی تھیں۔ جب تک حیات رہیں باقاعدگی سے ہر سال حج کرتی تھیں۔ آپ کو 48 مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کی واحد کنواری رفیقِ حیات تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد 67 ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی کے آخری 18 سال، حضرت امیر معاویہ کے عہدِ حکومت میں گزارے۔ اس پورے دور میں آپ رضی اللہ عنہا ہمیشہ تن دہی کے ساتھ امت کی اصلاح، درس وتدریس اور تربیتِ نسواں میں مصروف عمل رہیں۔ آخرکار چند دن کی بیماری کے بعد 17 رمضان المبارک 58 ہجری آپؓ اپنے رب سے ملنے، آخری سفر پر روانہ ہو گئیں۔ اس وقت آپ کی عمر مبارکہ 67 برس تھی۔ آخر وقت میں آپ نے کچھ وصیتیں فرمائیں، لوگوں کا مشورہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا کو حجرہ شریف میں حضور اکرم ﷺ کے پیروں کی جانب خالی جگہ پر دفن کیا جائے، لیکن آپؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دوسری ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ رات کی تاریکی میں جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ مدینہ منورہ کے امیر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ یوں امتِ مسلمہ، ایک عظیم روحانی ماں کے مقدس سائے کی نعمت سے محروم ہو گئی۔ اس وقت اُمہات لمومنینؓ میں صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا "عائشہؓ کے لیے جنت واجب ہو گئی، کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سب سے پیاری اہلیہ تھیں۔

چوتھی زوجہ رسول اللہ ﷺ

اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

جن کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کثیر الصیام اور قائم اللیل ہیں اور جنت میں آپ ﷺ کی زوجہ ہوں گی

امام الانبیاء سید المرسلین رحمت دو جہاں سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بوجھل قدموں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں تشریف لاتے ہیں۔ نبی محترم ﷺ اپنے جان نثار رفیق کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں ''کیا بات ہے عمر کچھ افسردہ لگتے ہو؟'' عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میری بیٹی حفصہؓ بیوہ ہو گئی ہے مجھے اس کی شادی کی فکر ہے میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کی ہے تو انہوں نے منع کر دیا ہے میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا تو انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔ اپنے پیارے ہم دم رفیق کو آزردہ اور فکر مند پایا تو نبی برحق ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے عمر! تم کیوں فکر کرتے ہو؟ تمہاری بیٹی کی شادی ایسے شخص سے نہ کر دی جائے، جو ابو بکرؓ و عثمانؓ سے بہتر ہو اور عثمانؓ کی شادی ایسی خاتون سے کر دی جائے جو تمہاری بیٹی سے بہتر ہو۔ نبی محترم ﷺ کے ان محبت بھرے حوصلہ مند الفاظ نے دل کی اداسی کو اطمینان و سکون کی روح پرور کیفیت میں تبدیل کر دیا۔ چہیتی بیٹی کے بیوہ ہونے پر اس قدر مغموم و فکر مند ہونے والے یہ والد بزرگوار نبی اکرم ﷺ کے جان نثار وفا شعار

ساتھی جلیل القدر صحابی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کے قبول اسلام کے لیے خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی جن کی شجاعت و بہادری کا یہ عالم کہ کلمہ پڑھتے ہی فرمادیا۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب ہم چھپ کے نہیں، بلکہ علی الاعلان کعبۃ اللہ میں نماز پڑھیں گے۔" اور پھر جب باجماعت نماز پڑھنے حرمِ کعبہ پہنچے تو کفر کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ کفار مکہ لرز اٹھے۔ نعرۂ تکبیر کی روح پرور صداؤں نے مکے کے پہاڑوں کو ہلا کر رکھ دیا خانہ کعبہ کے اندر رکھے مشرکین کے پتھروں کے بت زمیں بوس ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ و حمزہ رضی اللہ عنہ کی چمک دار تلواریں دشمنان اسلام کو خون میں نہلانے کے لیے بے قرار تھیں۔ پورے حرم میں سناٹے کا راج تھا۔ یہ وہی حرم تھا کہ جہاں چند روز قبل ہزاروں کی تعداد میں مشرکین جمع تھے لیکن اب عمر رضی اللہ عنہ کے خوف نے ابوسفیان سمیت سب کو گھروں میں بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ اللہ کی کبریائی اور وحدانیت کے ایمان افروز نعروں نے آسمان پر موجود فرشتوں کو بھی حیران کر دیا۔ ارض وسما نے ایسا ایمان افروز منظر بہت عرصے بعد دیکھا تھا کہ جب چند سرفروشانِ اسلام، حرم کعبہ میں اپنے رب ذوالجلال کے حضور سر بسجود ہیں۔ حرم کے در و دیوار ان مجاہدین ملت کی جرأتوں کو سلام کرنے لگے اور ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر شیطان بھی راستہ بدل کر بھاگ جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو گلے میں تلوار لٹکائے پہلو میں نیزہ باندھا، پشت میں ترکش لگایا ہاتھوں میں کمان لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر بیت اللہ میں داخل ہو گئے اس وقت تمام دشمنانِ اسلام اپنی مخصوص جگہوں پر اپنے قبیلے کے

لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ حرم مشرکین سے بھرا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطمینان کے ساتھ پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر مقام ابرہیم پر دو رکعت نماز ادا کی، سورج کی سنہری کرنوں میں چمکتی ہوئی تیز دھار تلوار کو اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑا پھر حلقہ مجلس میں کھڑے ہو کر بلند آواز میں فرمایا: ''تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ تمہاری ناک خاک آلود کر دے تم میں سے جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا ہوا چھوڑے اپنی بیوی کو بیوہ بنائے اور اپنے بچوں کو یتیم کہلوائے، وہ حرم سے باہر مجھ سے نبرد آزما ہو جائے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل قریش میں سے کسی کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ ان کا تعاقب کرے البتہ کچھ کمزور مسلمان ضرور ہجرت کے لیے ان سے آملے۔ وہی عمر رضی اللہ عنہ آج اپنی لخت جگر کی شادی کے لیے فکر مند و آزردہ ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بیٹیاں وہ معصوم نرم و نازک اور حسین پھول ہوتی ہیں کہ جن کے مرجھائے چہرے دیکھ کر دلیر سے دلیر شخص کے اندر بھی ضعف اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کے تمام والدین کو یہ پیغام دیا کہ بیٹیوں کے لیے جلد اچھے اور مناسب رشتوں کی تلاش و جستجو اور فکر کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور پھر ۳ ہجری ماہِ شعبان کے ایک پر رونق و متبرک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۴۰۰ درہم حق مہر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ادا کیے۔ یوں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا شانہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہو کر ام المومنین کے اس

اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہوئیں کہ جہاں فرشتے بھی عزت واحترام کے ساتھ ہاتھ باندھے نگاہیں جھکائے شرف باریابی کے منتظر رہتے ہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ولادت اعلانِ نبوت سے پانچ برس قبل اس زمانے میں ہوئی کہ جب اہل قریش خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کررہے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود نصب فرما کر قریش کے سرداروں کے درمیان بدترین خونی جنگ کے امکانات کو ختم فرمادیا تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے قبیلہ بنی عدی کے جس خاندان میں آنکھ کھولی وہ اپنی شجاعت و بہادری جرات و بے باکی و بے خوفی کے سبب پورے قریش میں بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جری بہادر اور قبیلے کی ممتاز ترین شخصیات میں سے تھے۔ آپ قریش کے ان سترہ افراد میں سر فہرست تھے کہ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ والدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خود بھی صحابیہ تھیں اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح خاندانِ بنو سہم کے ایک فرزند حضرت خنیس بن خذافہ سے ہوا۔ دونوں میاں بیوی آغاز اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے بعد ازاں مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور مدینہ کے قریب بستی "قبا" میں رہائش اختیار کی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ ایک نڈر اور بہادر مسلمان تھے۔ آپ کی شہادت کے بارے میں سیرت نگار مختلف رائے رکھتے ہیں۔ کچھ کے نزدیک غزوہ بدر میں زخمی ہو کر شہید ہوئے اور کچھ کی رائے یہ ہے کہ غزوہ بدر میں تو شریک ہوئے لیکن غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ آپ غزوہ میں کفار سے لڑتے ہوئے زخمی ہوئے اور شدید زخموں کی تاب نہ لا کر کچھ ماہ بعد مدینہ منورہ

میں انتقال کر گئے۔اس طرح عدت پوری ہونے کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر 22 سال تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یوں تو بڑی خوش مزاج ہنس مکھ خاتون تھیں لیکن ان کے مزاج میں تیزی کے بارے میں اہل سیر متفق ہیں مزاج کی یہ تیزی ان کی خاندانی خصوصیات میں سے ہے۔وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جاہ و جلال، رعب و دبدبے کے حامل باپ کی بیٹی تھیں، نڈر باپ کی بیٹی میں کچھ تو اثر پدری آئے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دیتے تھے اسلام نے انہیں عزت و وقار اور بلند درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیات اتریں تو ان کی قدر اور منزلت کا اندازہ ہوا۔(صحیح بخاری) بہر حال دوسری ازواج مطہراتؓ کی طرح ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی دنیا کی عیش و عشرت کے بجائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت میں عظیم انعام کو اپنے لیے بہتر اور افضل پایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''فقر'' میری شان ہے۔آپ کا گھر یعنی ازواج مطہراتؓ کے حجرے اور اندازِ رہائش دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا کہ فقر و فاقے کے ساتھ درویشانہ انداز میں دونوں جہانوں کی شہنشاہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا وصف ہے۔ تمام امہات المومنینؓ کی رہائش کے لیے ایک جیسا چھوٹا سا حجرہ جس کی دیواریں مٹی کی کچی اینٹوں کی، چھتیں کھجور کے پتوں کی، دروازے پر کمبل کا پردہ گھر کے اندر ایک پانی کا مشکیزہ ایک چکی اور ضرورت کا انتہائی مختصر سا سامان۔ایسا ہی ایک چھوٹا سا حجرہ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چہیتی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں بھی آیا۔ازواج مطہراتؓ

کے حجروں میں کئی کئی دن تک چولہانہ جلتا تھا،چند کھجوریں مٹھی بھر ستواور تھوڑی سی جو کئی دنوں تک کے لیے کافی ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ کے آرام کے لیے ایک ٹاٹ کا ٹکرا جسے دہرا کر کے بچھا لیا کرتے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہاتوکل علیٰ اللہ ،صبر و قناعت، ضبط و تحمل، ایثار و قربانی سخاوت وسیع القلبی اور حب رسول ﷺ کے جذبے سے سر شار کاشانہ حرم نبوی میں اللہ کے محبوب ﷺ کی خوشنودی کے لیے خود کو وقف کر چکی تھیں۔وہ جانتی تھیں کہ اللہ کے محبوب ﷺ کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی ہے۔ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا تعلق جس خاندان سے تھا وہ اپنی علمیت، قابلیت ،فصاحت ، بلاغت میں پورے قریش میں ممتاز تھا۔آپ کے والد قریش کے چندپڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کوپڑھنے لکھنے کا شوق ورثے میں ملا تھا آپ جب ازواجِ مطہراتؓ میں شامل ہوئیں تو لکھنا نہیں جانتی تھیں۔ حضور ﷺ کو جب آپ کے اس شوق کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے انکی تعلیم کے لیے خصوصی انتظامات کئے اور ان ہی کے خاندان کی ایک خاتون حضرت شفابنت عبداللہ عدیہ کو مامور کیا کہ وہ ان کو لکھنا سکھائیں اس کے ساتھ ہی انھوں نے انہیں زہریلے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے کا دم بھی سکھا۔ اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ خود بھی ان کی تعلم پر خصوصی توجہ دیتے کیوں کہ یہ معارف و حقائق اخذ کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھیں۔ لہذا سرکار دو عالم ﷺ کے فرمودات و ارشادات بڑی توجہ سے سنتیں اور انہیں نہ صرف اپنے قلب و ذہن میں محفوظ کرتیں بلکہ لکھ بھی لیا کرتیں تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ سے اکثر مسائل بلا تکلف نہایت بے باکی سے دریافت کر لیا

کرتیں اور آپ ﷺ بھی نہایت تحمل کے ساتھ بڑے پیار سے جوابات فرما دیا کرتے۔ایک مرتبہ نبی برحق ﷺ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے آپ نے تھوری دیر توقف کر کے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تم سب میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم وارد نہ ہو۔یہ ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کے ذمے ہے۔''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر ساتھ ہی اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو دنیا میں متقی تھے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے (سورۃ مریم) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور عزاز اور امتیاز یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دور میں قرآن مجید کے تمام کتابت شدہ اوراق اور تختیاں ان کے گھر پر محفوظ تھیں۔ان کے قرآن سے غیر معمولی شغف کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زند گی ہی میں قرآن کریم کے تمام کتابت شدہ اجزاء یک جا کر کے ان پاس رکھوادیے تھے جو پھر پوری زندگی ان کے پاس ہی رہے۔جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یمامہ کی جنگ میں حفاظ کی کثیر تعداد نے جام شہادت نوش فرمایا ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر دوسری جنگوں میں بھی حفاظ کی اکثریت شہید ہو گئی تو اس طرح قرآن کریم کا بیش تر حصہ ضائع ہو جائے گا لہذا آپ قرآن جمع کر نے کے لیے اقدامات کریں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ تجویز پسند آئی انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔جس میں مختلف صحابہ اکرام کے پاس موجود قرآن کریم کے اجزاء کو جمع کیا اس کام میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے

پاس موجود قرآن کریم کے کتابت شدہ اجزاء سب سے زیادہ کار آمد ثابت ہوئے کمیٹی نے تمام جمع شدہ اجزاء کو کتابی شکل میں ترتیب دے کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور یہی وہ مکمل و مستند نسخہ ہے جو تاریخ میں ''مصحف صدیقی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی اصل کاپی کو دوبارہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں دے دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس نسخے کو نہایت خوبصورتی اور اہتمام کے ساتھ کتابت کروا کر اس کی متعدد کاپیاں بڑے بڑے شہروں میں روانہ کی گئیں جب کہ اصلی کاپی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ کر دی گئی۔ آج غلطیوں سے مبرّا، جس قرآن کریم کی ہم تلاوت کرتے ہیں وہ اسی قرآن مجید کی اصلی کاپی کی نقل ہے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھی۔ اس طرح اللہ کے کلام کی ترتیب، تدوین اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں حضرت حفصہؓ کے تاریخی کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور یہ بات ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو دیگر امہات المومنینؓ سے ممتاز کرتی ہے یوں تو تمام ازواجؓ باہمی محبت و پیار سے رہا کرتی تھیں لیکن کبھی کبھی محبت پیار کے ان رشتوں میں وقتی طور پر مدو جزر بھی آتا تھا۔ ایک دوسرے سے ناراضگی ہوتی تو ایک دوسرے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شکایت بھی کر لیا کرتیں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبسم فرما کر تحمل و تدبر سے اختلافات و غلط فہمیاں دور فرما دیا کرتے۔ اس طرح کا ایک واقعہ ترمذی میں درج ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے میں بیٹھی رو رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے اور ان سے رونے کی وجہ دریافت کی انھوں نے کہا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ''تم یہودی کی بیٹی ہو'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی وقت حضرت حفصہؓ کو بلایا اور فرمایا ''حفصہؓ! خدا سے ڈرو،

پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر، تمہارے شوہر پیغمبر، حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہیں (ترمذی)۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بہت خوش و خرم تھیں۔ نبی بر حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت، اطاعت گزاری اور وفا شعاری میں بہت آگے تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کو اپنا فرض اولین سمجھتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے کاموں کو بھی اپنے ہاتھوں سے انجام دینا اپنے لیے باعث فخر و عبادت سمجھتی۔ فہم و فراست اور قوت حافظہ میں کمال رکھتی تھیں نہایت متقی پرہیز گار اور عبادت گزار تھیں کثرت سے روزے رکھتی تھی سیرت کی کتابوں میں تحریر ہے کہ جبرائیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حفصہؓ بہت ہی عبادت گزار اور کثرت سے روزے رکھنے والی خوش بخت خاتون ہیں یہ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں اور یہ جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہوں گی۔" حضرت جبرائیل علیہ السلام کا یہ بیان حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بزرگی اور اللہ کی ان سے خوشنودی کا مظہر ہے۔ ابنِ سعد میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تحریر ہے کہ وہ صائم النہار اور قائم اللیل ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ اپنی وفات کے وقت بھی روزے میں تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نہایت فراخ دل اور فیاض خاتون تھیں غربا مساکین اور مفلوک الحال لوگوں کی مدد دل کھول کر کرتی تھیں۔ وفات سے پہلے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت فرمائی کہ ان کے نام جو جائیداد ہے وہ حاجت مندوں کے لیے وقف کر دیں۔ آپ سے 60 روایات منقول ہیں ان میں چار متفق علیہ ہیں 6 صحیح مسلم میں اور باقی 50 احادیث کی دیگر کتابوں

میں ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ابنِ سعد کے مطابق ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا وصال ماہ شعبان 45 ہجری میں ہوا اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر 63 سال تھی۔ نماز جنازہ مدینہ منورہ کے حاکم مروان بن حکم نے پڑھائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی نماز جنازہ میں شریک تھے۔ آپ کے بھائیوں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور بھتیجوں نے جنت البقیع میں تدفین کی۔ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سیرت طیبہ جہاں امت مسلمہ کی خواتین کے لیے صبر و قناعت، ایثار و وفا، مہر و محبت اور توکل علیٰ اللہ کا عظیم پیغام ہے وہاں مردوں کے لیے بھی صبر و تحمل عفو و درگزر اور پیار و محبت کا ایسا درس ہے جو گھریلو زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانے میں نہایت معاون و مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

پانچویں زوجہ رسول اللہ ﷺ

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

جنہیں تاریخ میں "امّ المساکین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہفتہ 7 شوال 3 ہجری کی ایک بظاہر پر سکون اندھیری رات ہے۔پر سکون ماحول کی فضا میں کبھی کبھی گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں ارتعاش سا پیدا کر دیتی ہیں۔ کوہ احد کے دامن میں ہونے والی غزوہ احد میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کے لیے تیار اللہ کے دو سپاہی نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد بیٹھے ہیں۔ موضوع گفتگو صبح مشرکین مکہ کے ساتھ ہونے والی جنگ ہے۔ کچھ دیر بعد اللہ تعالیٰ کے آگے دست دعا پھیلا دیتے ہیں۔ایک دوست دعا مانگتے ہیں "اے اللہ ! ہم تیری رضا، تیرے دین کی سر بلندی کے لیے تیرے محبوب ﷺ کی سربراہی میں اس میدان بیابان میں موجود ہیں اے اللہ ! مجھے ہمت عطا فرمااور طاقتور سے طاقتور دشمن بھی میرے مقابلے پر آئے تو میں اسے زیر دست کر کے اس کی گردن ناپوں۔" یہ ہیں مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کی اس دعا پر دوسرے ساتھی عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ "آمین" کہتے ہیں۔

اب عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دعا مانگتے ہیں: اے معبود بر حق ! جو طاقتور سے طاقتور دشمن میرے مقابلے پر آئے وہ مجھ سے پنجہ لڑائے اور زور آزمائی کرے تو میں بھی زور لگاؤں اور اس کو کشمکش میں میں تیرے دین پر قربان ہو جاؤں اور میدان جنگ میں اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا ہوا اس طرح شہید ہو جاؤں کہ دشمن میری ناک، کان کاٹ لے اور جب میں

تیری بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں تو، تو مجھ سے پوچھے :اے عبد اللہ تیرے یہ اعضاء کہاں گئے؟ تو میں کہوں اے میرے رب یہ تیری رضا پر قربان ہو گئے اور پھر میرے رب تو میری بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہے :اے عبداللہ تو نے سچ کہا۔اس دعا پر سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی ''آمین'' کہا۔ عرش پر موجود اللہ بزرگ و برتر نے دونوں کی دعائیں سنیں اور انہیں شرفِ قبولیت بخشا۔ صبح میدانِ احد میں گھمسان کا رَن پڑا۔جذبہ شہادت سے لبریز صحابہ رضی اللہ عنہم مشرکین پر اللہ کا قہر بن کر ٹوٹ پڑے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تلوار نے کفار مکہ کے سروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ان کی تلوار بجلی کی چمک کی طرح مشرکین کی گردنوں کو ناپتی ہوئی لمحوں میں ان کے جسموں کو سر کے بوجھ سے آزاد کر دیتی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح مشرکین کے جسموں کو ان ہی کے خون سے نہلاتے، آگے بڑھ رہے تھے،ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے سر پر بندھی سرخ پٹی اس بات کی گواہ تھی کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اب سر پر کفن باندھ لیا ہے۔عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ، ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دیگر مجاہدین اسلام شجاعت، بہادری و جاں بازی کی داستانیں رقم کر رہے تھے۔ کفار مکہ کی صفوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا700 سر فروشانِ اسلام نے اپنے سے 5 گنا زیادہ کفار مکہ کے لشکر کو اپنا مال و اسباب چھوڑ کر جان بچا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مشرکین کا سپہ سالار ابو سفیان میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کر چکا تھا ابلیس اپنے سر پر خاک ڈال کر چیخ چیخ کر مشرکین کو آوازیں دے رہا تھا ایسے میں احد کی پوری وادی نعرہ تکبیر کے ایمان افروز نعروں سے گونج رہی تھی فتح کے نشے میں چور

مجاہدین میدانِ جنگ میں مشرکین کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں مصروف ہو چکے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی نصیحت و تنبیہ کے باوجود ''رماۃ'' پہاڑی پر موجود ۴۰ مجاہدین میں سے چند کو چھوڑ کر باقی مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑی سے نیچے آچکے تھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی اور یہی وہ لمحہ تھا کہ جب میدانِ جنگ سے پسپا ہونے والے مشرکین کے ایک کمانڈر خالد بن ولید نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جبلِ رماۃ کو خالی دیکھ کر پیچھے سے حملہ کر دیا اور اس اچانک حملے نے جنگ کا پانسا ہی پلٹ دیا۔ دشمن مجاہدین کے سر پر پہنچ چکا تھا ان کی بکھری ہوئی شکست خوردہ قوت دوبارہ جمع ہو رہی تھی۔ ابو سفیان بھی میدان جنگ میں دوبارہ داخل ہو چکا تھا ایسے میں رسول اللہ ﷺ کے جانباز صحابہ، مشرکین کے نئے حملے کے سامنے آہنی چٹان بن گئے۔ کوہِ احد کی سنگلاخ چٹانوں نے جوش بہادری جذبہ ایمانی و سر فروشی کے عجیب و غریب اور حیرت انگیز مناظر پہلے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سمیت چند صحابہ حضور اکرم ﷺ کے حفاظت کے پیش نظر آپ ﷺ کے قریب ہی دشمن سے بر سر پیکار تھے۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار مشرکین کے جسموں کے ٹکڑے کرتے کرتے خود ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اسی حالت میں حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا ''یارسول اللہ ﷺ! میری تلوار ٹوٹ چکی ہے دوسری تلوار دے دیجیے'' اس وقت کوئی تلوار تو نہ تھی ہاں قریب ہی کھجور کی لمبی چھڑی پڑی تھی آپ ﷺ نے فرمایا ''لو عبداللہ، یہ تمہاری تلوار ہے'' اور پھر احد کی فضاؤں نے قوت ایمانی کا یہ منظر بھی دیکھا کہ وہ چھڑی جس مشرک

کے جسم پر پڑتی اس کا جسم اسی جگہ سے ٹکڑے ہو کر گر پڑتا یہاں تک کہ آپؓ دشمنانِ اسلام سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور پھر انکی دعا کے عین مطابق ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عقبہ نے دوسری مشرک عورتوں کے ساتھ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سمیت متعدد جلیل القدر صحابہ کے جسموں کی بے حرمتی کرتے ہوئے ان کی ناک کان سمیت دیگر اعضاء کاٹ کر انہیں ہاتھ کی صورت میں پرو کر گلے میں پہن لیا۔ ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سینے کو چیر کر کلیجہ نکالا منہ میں ڈال کر چبانا چاہا لیکن نگل نہ سکی (ابن ہشام)۔ اس جنگ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور چہرہ مبارک پر زخم آئے۔ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر کی اطلاع جب ان کی زوجہ زینب رضی اللہ عنہا کو ملی تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غزوہ احد کے زخمیوں کو پانی پلانے اور مرہم پٹی میں مصروف تھیں۔ شوہر کی شہادت کا سن کر ان کی آنکھیں پر نم ہو گئیں لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بس اتنا کہا: اے اللہ تیرا ہر حال میں شکر تیری رضا ہی میری رضا ہے۔ شہدا کی تدفین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے مجاہدین کی لاشوں کو دیکھتے ہوئے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے قریب پہنچے تو بہادر چچا کا یہ حال دیکھ کر سخت غمگیں ہو گئے۔ ساتھ ہی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کہ لاش دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ حمزہؓ اور عبداللہ بن جحشؓ کو ایک ساتھ ہی دفن کر دو۔ عبداللہ بن جحشؓ حضرت حمزہؓ کے بھانجے بھی تھے اور رضائی بھائی بھی۔ شہداء کی تدفین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور پھر شہدا کے لواحقین سے تعزیت کرنے اور انہیں تسلی و دلاسہ دینے کے لیے ان کے گھروں پر جانے کا سلسلہ شروع کیا۔ حالانکہ

آپ خود بھی زخمی حالت میں تھے۔آپ ﷺ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ملے جو شوہر کی وفات کے بعد بہت غمگین اور رنجیدہ تھیں۔ حضور اکرم ﷺ سے مل کر آب دیدہ ہو گئیں انہیں اپنے شوہر سے بہت محبت تھی جو ان کا بہت خیال رکھتے تھے اب ان کی وفات کے بعد وہ بالکل تنہا رہ گئی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ کو اس بات کا بہت احساس تھا۔ان کے شوہر کی عظیم قربانی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس شان سے جان کا نذرانہ پیش کرنا، اللہ کے محبوب ﷺ کی نظروں میں ان کی قدر و منزلت بڑھا گیا تھا۔ غزوہ احد میں 70 صحابہ شہید ہوئے اور بہت سے زخمی جن میں بھاری تعداد مدینہ کے انصار کی تھی اس وقت اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اہل مدینہ کے حوصلوں کو بلند کیا جائے اور ان کی دل جوئی کی جائے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں بہت عزت و احترام سے دیکھی جاتی تھیں معاشرے میں ان کا اہم مقام تھا ویسے بھی وہ ''ام المساکین'' کے نام سے مشہور تھیں۔اب وہ بالکل اکیلی رہ گئیں، انہیں کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی ان کی عدت ختم ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لیے یہ پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام تھا لہذا انہوں نے بخوشی قبول کر لیا۔ اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا ام المساکین کے ساتھ ام المؤمنین کے اعلیٰ مرتبے پر بھی فائز ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے 400 درہم حق مہر ادا کیا۔ نکاح کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر 30 سال تھی۔اس نکاح میں حضور ﷺ کے پیش نظر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ساتھ اہل مدینہ کی دلجوئی بھی مقصود تھی۔ مدینہ کے انصار و مہاجرین اور شہداء کے لواحقین نے آپ ﷺ کے اس اقدام کو

شہداء کے لیے ایک بہترین خراج تحسین کے طور پر پسند کیا اور یہ ان کی حوصلہ افزائی کا سبب بنا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلے نے مدینے کی مجموعی صورت حال پر نفسیاتی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے بہت مثبت اثرات مرتب کیے۔

ابن سعد نے طبقات میں آپ کا شجرہ نسب یوں تحریر کیا ہے۔ ''زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ'' چوں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت کم عرصہ گزارا۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے اور اگر ہے بھی تو روایات میں بہت اختلافات ہیں۔ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا حارث ہلالی کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کا قبیلہ بنو ہلال، قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھا۔ یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور یمن میں آباد ہو گئے تھے۔ یمن کے لوگ خوش حال تھے دولت کی فراوانی تھی عیش و عشرت میں رہتے تھے لیکن بد عنوان اور نافرمان تھے اس لیے اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئے پانی کے سیلاب نے ان کے شہروں میں دور دور تک تباہی و بربادی پھیلا دی۔ نوبت یہاں تک آئی کہ یہ لوگ اس علاقے سے ہجرت پر مجبور ہو گئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قبیلہ بنو ہلال بھی یمن سے حجاز آ کر آباد ہو گیا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے 13 سال پہلے 795 عیسوی کو خزیمہ بن حارث کے گھر ایک نہایت حسین و جمیل بچی نے جنم لیا۔ والد خزیمہ نے جب بچی کو دیکھا تو اس کا نام زینب رکھ دیا۔ امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلے طفیل بن حارث کے نکاح میں آئیں لیکن جلد ہی ان کے درمیان طلاق ہو

گئی جس کے بعد طفیل کے بھائی عبیدہؓ بن حارث نے ان سے نکاح کر لیا انھوں نے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ان کا مالک بہت ظلم کرتا تھا نبی کریم ﷺ نے انہیں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی قرار دیا۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر مشرکین نے بے حد مظالم ڈھائے۔ جب کفار مکہ کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اپنے جاں نثار ساتھیوں کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا، ان میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ نبی کریم ﷺ بارگاہ میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی جو منزلت اور رتبہ تھا اسے دیکھتے ہوئے انصار و مہاجرین نے انھیں ''شیخ المہاجرین'' کا لقب دیا۔ بدر کے میدان میں ولید سے مقابلے کے دوران آپ رضی اللہ عنہ کا پاؤں شہید ہوا، اور صفرا کے مقام پر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جب اپنے شوہر کی شہادت کی خبر ملی تو پر نم آنکھوں سے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے فرمایا ''اے اللہ! میں تیری رضا میں راضی ہوں'' حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے کچھ عرصے بعد حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یہ بھی حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرح انتہائی جوشیلے اور نڈر مجاہد تھے۔ حضور اکرم ﷺ ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ رشتہ قبول کر لیا اور دونوں پیار و محبت سے رہنے لگے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے والد خزیمہ مکہ کے بہت بڑے رئیس تھے ان کے گھر میں دولت کی کوئی کمی نہیں تھی حضرت زینبؓ نے

اپنا بچپن بڑے ناز و نعم میں شہزادیوں کی طرح گزارا۔ وہ شروع ہی سے دوسرے بچوں سے منفرد تھیں۔ عاجزی و انکساری، فیاضی، سخاوت، رحم اور ہمدردی کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بچپن ہی سے لوگوں کے دکھ درد میں ساتھ دینا، ان سے ہمدردی کرنا اور ان کی مالی مدد کرنا ان کا معمول تھا۔ ان کی سخاوت و فیاضی کی شہرت اتنی بڑھی کہ اہل مکہ انہیں ''امّ المساکین'' کہنے لگے یہاں تک کہ وہ جہاں سے گزرتیں سب کہتے دیکھو ''ام المساکین'' جارہی ہیں۔ مدینہ ہجرت کے بعد بھی ان کی سخاوت و فیاضی بدستور جاری رہی۔ اسی دریا دلی کے سبب مدینے کے لوگ بھی انہیں اصل نام کے بجائے ''ام المساکین'' کے نام سے پکارنے لگے۔ ابنِ ہشام لکھتے ہیں کہ ''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی رحم دلی اور نرمی کی وجہ سے ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا۔ الاستیعاب اور الاصابہ میں تحریر ہے کہ ''حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا غریبوں، مسکینوں کو کھانا کھلاتیں اور صدقہ و خیرات کرتی تھیں اس لیے انہیں ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا۔ طبرانی نے ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس وقت بھی ان کی کنیت ام المساکین تھی۔ ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں کہ زینب بنت خزیمہؓ زمانہ جاہلیت میں بھی ام المساکین کے لقب سے معروف تھیں۔ حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ وہ دونوں اس شادی پر خوش تھیں لہذا انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بے حد دلجوئی کی۔ ایک دفعہ تمام ازواج مطہراتؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا یارسول

اللہ ﷺ! ہم میں سے سب سے پہلے کون وفات پائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہو''سب نے اپنے اپنے ہاتھ ناپے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا چونکہ ڈیل ڈول میں سب سے نمایاں تھیں لہذا ان کے ہاتھ لمبے نکلے لیکن ہوا یہ کہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے مقصد سخاوت اور فیاضی تھا جس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سب سے آگے تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے سال اور حضور ﷺ کے ساتھ گزاری گئی مدت حیات پر بھی سیرت نگاروں اور محدثین میں بہت اختلاف ہے لیکن اکثر محدثین کی رائے ہے کہ 3 ہجری ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال حضور ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف تین ماہ گزارے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مکہ میں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مدینے میں ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئیں۔ انتقال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر 30 سال تھی۔ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی حیات میں انتقال کرنے والی یہ پہلی زوجہ تھیں باقی سب کا انتقال آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہوا۔

چھٹی زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

جو کامل العقل بھی تھیں، اور صائب الرّائے بھی

رات کا وقت ہے، نوجوان کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہیں اور اہلیہ کو آوازیں دیتے ہیں کہ دوسرے کمرے سے اہلیہ آتی ہیں ''کیا بات ہے ابو سلمہ، خیریت تو ہے، آپ کا سانس کیوں پھولا ہوا ہے؟'' اہلیہ پریشانی میں کئی سوال کر ڈالتی ہیں۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا حکم دیا ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں صبح ہی مدینہ روانہ ہو جانا چاہیے، ابو سلمہ رضی اللہ عنہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے بیوی کو بتاتے ہیں۔ اچھا، یہ تو بہت اچھی خبر ہے، مگر اتنی جلدی یعنی صبح ہی، زوجہ حیرت زدہ ہوتی ہیں۔ ہاں، ہمیں صبح منہ اندھیرے ہی جانا ہوگا، تم دیکھ رہی ہو کہ مشرکین نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی ہے۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ قطعی فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ اچھا جیسے اللہ کی مرضی، زوجہ کھانا نکالنے لگتی ہیں، معصوم سلمہ سو چکا ہے۔ دونوں کچھ عرصہ پہلے ہی تو حبشہ سے واپس آئے ہیں۔ اب ایک بار پھر اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار شہر چھوڑا جا رہا ہے۔ دونوں رات بھر باتیں کرتے رہتے ہیں، انجانی جگہ اور نیا سفر، تہجد کا وقت ہو جاتا ہے۔ تہجد اور فجر کی نماز کے بعد ایک بچے سمیت تین افراد پر مشتمل یہ مختصر سا قافلہ انجانی راہوں پر چل پڑتا ہے منزل شہرِ مدینہ ہے، ان کی کوشش ہے کہ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے مکہ شہر سے باہر نکل جائیں۔ اس لیے اونٹ کی نکیل تھامے تیزی سے شہر سے دور، باہر جانے والی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ مکہ کے سنگلاخ سیاہ

پہاڑوں پر سورج کی پہلی کرنیں نمودار ہوا چاہتی ہیں پورا شہر خاموش، صبح کی میٹھی نیند کے مزے لے رہا ہے، کہیں کہیں سے چڑیوں کی چہچہانے کی آوازیں آہستہ آہستہ صبح کے نمودار ہونے کی نوید سنا رہی ہیں۔ ابھی یہ قافلہ مکہ سے چند فرلانگ دور ہی گیا تھا کہ اچانک عقب سے آنے والی آوازوں اور شور نے ان کے اضطراب میں اضافہ کر دیا، اس سے پہلے کہ یہ کہیں کسی گھاٹی میں چھپنے کی کوشش کرتے، نیزوں اور تلواروں سے لیس، بنو مغیرہ کے شتر سواروں کا ایک گروہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ ابو سلمہ سے اونٹ کی نکیل چھین کر سوال ہوتا ہے: کدھر کا پروگرام ہے؟ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ میں مدینہ جا رہا ہوں۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے ذرا کرخت لہجے میں جواب دیتے ہیں۔ مگر تم بنو مغیرہ کی لڑکی کو ساتھ لے کر کیوں جا رہے ہو؟ ایک نوجوان سخت لہجے میں پوچھتا ہے۔ یہ میری بیوی ہے، تم لوگوں نے اس کا نکاح میرے ساتھ کیا ہے، ابو سلمہؓ دوبدو جواب دیتے ہیں۔ لیکن تم اسے ساتھ نہیں لے جا سکتے، یہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ یہ کہتے ہو ئے چند لوگ اونٹ کا رخ مکہ کی جانب موڑ دیتے ہیں اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو زبردستی کھینچ کر اتار دیتے ہیں۔ اونٹ کی ہودج پر بیٹھی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس اچانک صورتِ حال پر زار و قطار رو رہی ہیں، منتیں کر رہی ہیں، فریاد کر رہی ہیں شوہر کے ساتھ جانے کے لیے مچل رہی ہیں، لیکن ظالموں کے کانوں پر جوں نہیں رینگی۔ معصوم سلمہ بھی ماں کے ساتھ چیخ چیخ کر رو رہا ہے۔ بابا، بابا کی دل سوز صدائیں باپ کے دل کو چھلنی کر رہی ہیں، جوشِ پدری میں اونٹ کی طرف بڑھتے ہیں تو مجمع طیش میں آجاتا ہے، ''خبردار'' کی آواز کے ساتھ ہی کئی تلواریں گردن تک پہنچ جاتی ہیں۔ گھبرا کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ نہیں نہیں ایسا نہ کرنا

گرا سے مار دیا تو بنو عبد الا سد سے جنگ چھڑ جائے گی، مشرکین میں سے ایک عمر رسیدہ شخص آگے بڑھ کر انہیں روکتا ہے۔اب یہ شخص مکہ میں داخل نہیں ہوگا، مشرکین فیصلہ سنا کر مکہ کی جانب چل پڑتے ہیں۔ ابھی رنجیدہ اور غمزدہ ابو سلمہؓ دور کھڑے اپنے بیوی بچّے کی آہ و بکا سن رہے تھے کہ اچانک مکہ کی سیاہ سنگلاخ پہاڑیوں نے ایک اور دردناک منظر دیکھا بنو عبد الاسد کے لوگ بھی موقعہ پر پہنچ گئے ،انہوں نے معصوم سلمہ کو چھین لیا۔ تم اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو، لیکن یہ بچہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گا، یہ بچہ ہمارے خاندان سے ہے اور یہ ہماری تحویل میں رہے گا۔ بنو عبد الا سد کے خوں خوار افراد بچے کو چھیننے کے بعد آس پاس ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتے ہیں اور نہ ملنے پر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ابو سلمہؓ ایک چٹان کی اوٹ میں پر نم آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں لبوں پر صرف ایک ہی دعا ہے: اے اللہ! تیری رضا سے، تیرے دین کی سلامتی کی خاطر، تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر میں اس سفر پر نکلا ہوں اے میرے رب! میرے اہل خانہ کی حفاظت فرما۔ماں، بیٹے پر قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ معصوم سلمہ ،ماں باپ کی جدائی برداشت نہیں کر پا رہا، رو رہا ہے مچل رہا ہے مکہ کی بیاباں وادیاں، معصوم کی دل سوز چیخوں سے گونج رہی ہیں ادھر ماں ہے کہ جس کا کلیجہ پھٹ رہا ہے، شوہر کے بعد اب بیٹے کی جدائی نے دل پارہ پارہ کر دیا، سینہ شق کر دیا۔ ظالمو! میرے معصوم بیٹے کو مجھے دے دو۔ماں کی فریاد عرش کو ہلا رہی ہے، لیکن قدرت کے فیصلے آنے والے وقتوں میں راہ خدا میں صعوبتیں برداشت کرنے والوں کے لیے سنگِ میل کے طور پر تاریخ میں نہ صرف رقم ہوتے ہیں، بلکہ ان کے عزم اور حوصلوں کو جواں رکھنے میں معاون و مددگار بھی

ہوتے ہیں۔ بلکتے بچے کی صدائیں اور بیوی کی فریادیں دور ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد فضا میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ ابو سلمہؓ بیچ راہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بائیں جانب مکہ ہے کہ جہاں الگ الگ گھروں میں بیوی اور لخت جگر قید کر دیئے گئے ہیں اور دائیں جانب یثرب (مدینہ) کہ جہاں جانے کا حکم اللہ کے محبوب ﷺ نے دیا ہے۔ فیصلہ کرتے ہیں کہ جو اللہ کے محبوب ﷺ کا حکم ہے، وہ اللہ کی رضا ہے اور جو اللہ کی رضا ہے، وہ تیری رضا ہے، اگر اللہ کو منظور ہو گا، تو بیوی، بچے بھی مل جائیں گے۔ ایسے میں ذہن کے کسی دریچے سے قرآن پاک کی آیت لبوں پر آ جاتی ہے۔ ترجمہ: ''جو لوگ ہماری راہ میں صعوبتیں، مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھائیں گے۔ (سورۃ العنکبوت) یقیناً اللہ کا وعدہ اٹل ہے۔ لہٰذا نئے عزم کے ساتھ پیدل ہی مدینہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔

مکہ میں وادیٔ ابطح کے ایک ٹیلے پر روز صبح قبیلہ بنو مغیرہ کی ایک بیٹی اپنے بیٹے اور شوہر کو یاد کر کے آہ و زاری کرتی ہے۔ اپنے رب سے رحم اور انصاف کی بھیک مانگتی ہے۔ اس کی آہ وزاری سے ٹیلے کے پتھر کانپ اٹھتے ہیں، فریادوں سے وادی لرز اٹھتی ہے۔ ربِ کعبہ جانتا ہے کہ یہ اس کی برگزیدہ بندی ہے لیکن رب کے فیصلے، جب تاریخ مرتب کرے گا، تو یہ دل سوز واقعات آئندہ اللہ کی راہ میں صعوبتیں اور تکلیفیں اٹھانے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔ صبر و استقامت کی یہ داستانیں منزل تک پہنچنے کی دشوار گزار راہوں کو آسان کر دیں گی۔ دن ہفتوں اور ہفتے، مہینوں میں بدل گئے سب جانتے ہیں کہ ابطح کے ٹیلے پر روز آ کر بیٹھنے والی یہ نوجوان خاتون، ام سلمہؓ ہیں، جو اپنے بیٹے اور شوہر کے

فراق میں بے بسی کی تصویر بنی، بہتے اشکوں کے ساتھ اپنےان دیکھے رب کے فیصلے کی منتظر ہیں اور انہیں علم ہے کہ رب کعبہ نے وحی کے ذریعے اپنے محبوب سے فرمادیا ہے کہ ترجمہ: ''ہم انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں''(سورۂ ق) جب کہ دوسری آیت میں فرمایا کہ ''اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں''(سورۂ ق) اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یقین واثق ہے کہ اللہ تعالٰی بہت جلد آزمائش کی ان گھڑیوں کو روشن دنوں میں تبدیل کر دے گا۔ ایسی ہی ایک اداس اور مغموم شام کہ جب دن بھر کا تھکا سورج، اپنی منزل کی جانب گامزن تھا۔ چرند پرند واپس اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے، یہ مجبور خاتون بھی بوجھل قدموں اور اداس دل کے ساتھ پرنم آنکھوں میں امید کے دِیے روشن کیے اپنے باپ کے گھر کی جانب رواں دواں تھی۔ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ ''ناامیدی کفر ہے'' اور پھر قدرت اپنی اس برگزیدہ بندی کے آزمائش کے دن ختم کر کے اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے۔ بنو مغیرہ کے بزرگوں کے دلوں میں اپنے قبیلے کی اس مظلوم بیٹی کے لیے ہم دردی کے جذبات پیدا فرما دیتی ہے۔ قبیلے کا جرگہ فیصلہ سناتا ہے کہ ہم نے ہر طرح سے کوشش کر لی، یہ لڑکی واپس ہمارے دین کی طرف نہیں آتی، اب ہمارا قبیلہ اس نوجوان لڑکی کی روزانہ کی آہ وزاری اور گریہ زاری سے بدنام ہو رہا ہے۔ پورے مکے میں اس خاتون کی ممتا کی داستانیں ہمارے چہروں پر کالک مل رہی ہیں، لہٰذا اس کی پابندیاں ختم کر کے اسے فوری مکہ بدر کر دیا جائے۔ ادھر دوسری طرف بنو عبد الاسد کے لوگ معصوم بچے کی روزانہ کی چیخ و پکار سے پریشان تھے۔ بچے کی ماں کے بارے میں بنو مغیرہ کے فیصلہ نے ان کی مشکل آسان کر دی۔ پھر ایک دن مکے کی

خاموش صبح نے ماں، بیٹے کے ملاپ کا روح پرور منظر دیکھا، تو وہاں موجود لوگوں کے علاوہ آسمان سے بادلوں کے آنسو بھی بارش کی صورت برس پڑے۔ اب مکہ میں ایک ایک منٹ قیامت سے کم نہ تھا۔ قبیلے اور خاندان کے اپنوں نے ماں، بیٹے کو ایک لاغر سے اونٹ پر بٹھا کر مدینہ جانے والی انجان، سنسان اور پر خطر راہوں پر چھوڑ دیا۔ سنگلاخ بیابان وادیوں میں نامعلوم راستوں کے یہ راہی زندگی میں پہلی بار اکیلے نکلے تھے۔ قدم قدم پر جان و عزت لٹنے کا ڈر، جان کے دشمن کفار کسی بھی لمحے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ خوف و گھبراہٹ، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر عیاں تھا۔ پچھلی دفعہ تو ابو سلمہ ساتھ تھے، لیکن آج تو بالکل اکیلی ہیں۔ ابھی یہ خیالات آ ہی رہے تھے کہ اللہ کا ایک فرمان یاد آ گیا ترجمہ: ''اللہ اپنے بندے کی حفاظت کے لیے اس پاس ہے'' (سورہ الزمر) یہ سوچ کر دل کو بڑا اطمینان ہوا۔ ابھی مکہ سے چند کلو میٹر آگے ہی بڑھی تھیں کہ ''تنعیم'' کے مقام پر ایک بارعب آواز نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا: ''اے بنو مغیرہ کی بیٹی! تم کہاں جا رہی ہو؟ یہ آواز کفار مکہ کے سردار، نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے دشمن، بیت اللہ شریف کے کلید بردار عثمان بن طلحہٰ کی تھی۔ اس نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا تھا۔ میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں ''ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کانپتی آواز میں اعتماد پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔'' تمہارے رشتے دار تمہارے ساتھ کیوں نہیں، عثمان بن طلحہٰ کی بھاری آواز پھر گونجی، میرا مکہ میں میرے اللہ اور اس معصوم بچے کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ جواب دیتے ہوئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آواز بھرا گئی۔ مگر میں تمہیں اکیلے نہیں جانے دوں گا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آواز کی تھرتھراہٹ نے جوان کو عجیب و غریب فیصلہ کرنے پر مجبور کر

دیا۔ پھر سورج کی چمکتی تیز کرنوں نے یہ منظر دیکھا کہ اسلام کا بدترین دشمن، اللہ کے رسول ﷺ کے خون کا پیاسا، مکہ کا ایک سردار آگے بڑھا، اونٹ کی مہار پکڑی اور پھر گرجا، میں تمہیں خود مدینہ چھوڑ کر آؤں گا۔ اللہ کی شان نرالی ہے، جب وہ فرعون کے گھر موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کر سکتا ہے۔ نار کو نور اور گلزار کر سکتا ہے۔ مچھلی کے پیٹ میں یونس کو زندہ رکھ سکتا ہے۔ یوسف کو کنوئیں سے نکال کر تختِ مصر پر بٹھا سکتا ہے، تو ایک کافر کے ہاتھوں امتِ مسلمہ کی نوجوان بیٹی کی حفاظت اس کے لیے کیا مشکل ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ "واللہ! میں نے عثمان بن طلحہؓ جیسا شریف انسان نہیں دیکھا، جب راستے میں کہیں پڑاؤ کرنا ہوتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کی اوٹ میں چلا جاتا، میں اور سلمہ اتر جاتے تو اونٹ کو جھاڑیوں کی طرف چرانے لے جاتا اور جب کوچ کا وقت ہوتا تو اونٹ کو لا کر بٹھا دیتا اور خود درخت کی اوٹ میں ہو جاتا۔ یہاں تک کہ مختلف منزلوں پر قیام کرتے ہوئے اس طویل سفر کے اختتام تک پہنچے۔ مدینے کے قریب "قبا" کی آبادی پر نظر پڑی تو مکہ کے اس مشرک سردار نے محبت اور عقیدت بھرے لہجے میں مجھ سے کہا: ام سلمہؓ! یہ سامنے قبا کی بستی ہے اور یہاں سے ہی مدینہ شروع ہو جاتا ہے۔ میں اس سے آگے نہیں جا سکتا یہ میرے دشمنوں کی بستی ہے۔ تم بے خطر ہو کر چلی جاؤ، یہ سب تمہارے اللہ کو ماننے والے لوگ ہیں۔ آگے جا کر کسی سے عبد اللہ ابو سلمہ کا پتا معلوم کر لینا۔ عثمان بن طلحہؓ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ تک چھوڑ کر خود اسی طرح فوراً پیدل واپس مکہ روانہ ہو گئے۔ اور پھر فتح مکہ کے وقت عزت و شرافت، غیرت و حمیت کا پیکر یہ خوش قسمت انسان مسلمان

ہو گیا اور ان کا شمار مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوا۔ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔“ (سورۂ انعام) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب قبا پہنچیں، تو لوگ بڑے حیران ہوئے اور حیرت سے پوچھا: تم اکیلی کس طرح مکہ سے مدینہ پہنچ گئیں؟ جب ان کو یہ پتا چلا کہ یہ مشہور رئیس مکہ ابو امیہ سہیل کی صاحبزادی ہیں، تو اور بھی حیران ہوئے، کیوں کہ ابو امیہ سہیل پورے عرب میں سخاوت و فیاضی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ مورخین کے مطابق ام سلمہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں، جنھوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے جدائی کے یہ دن بڑے دکھ اور تکلیف میں گزارے۔ وہ ہر وقت اللہ سے اپنے اہل و عیال کے ملاپ کی دعائیں کرتے۔ اب اپنے بیوی، بچوں کو پا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے 4 بچے ہوئے۔ دو بیٹے سلمہؓ اور عمر، دو بیٹیاں زینبؓ اور درہؓ۔ یہ سب صحابیت کے مقام پر فائز ہوئے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بڑے نڈر اور جانباز مجاہد تھے۔ غزوۂ بدر اور احد میں بڑی شجاعت و بہادری سے مشرکین کا مقابلہ کیا۔ غزوۂ احد میں کفار کے زہر میں ڈوبے تیر سے شدید زخمی ہوئے اور 4 ہجری میں اسی زہریلے زخم کی وجہ سے مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔

دعا کا اثر:

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وفات سے کچھ دن پہلے ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے گھر آئے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ”آج میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی مصیبت پیش آجائے اور وہ اللہ کے سامنے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ

رَاجِعُون پڑھے اور یہ دعا کرے: ''اے اللہ! مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔ اور میرا جو نقصان ہوا ہے، مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد بھی فرماتا ہے۔ اور اسے بہتر نعم البدل بھی عطا فرماتا ہے'' ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس دعا کو اپنا معمول بنا لیا۔ لیکن وہ اکثر یہ سوچا کرتی تھیں کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ میں جتنی خوبیاں تھیں، اتنی خوبی والا اب کون ہو سکتا ہے۔ ابو سلمہ نے ایک مرتبہ نصیحت فرمائی تھی کہ ''اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا اگر مجھے موت آجائے، تو تم دوسری شادی کر لینا۔'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سختی سے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں کروں گی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ میرا حکم ہے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے گھر تشریف لائے، دیکھا کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں اور ان کی نماز جنازہ میں 9 تکبیریں کہیں۔ صحابہ نے نماز کے بعد زیادہ تکبیریں پڑھنے کی وجہ پوچھی، تو فرمایا: یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔ جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کے لبوں پر یہ الفاظ تھے ''یا اللہ! میرے کنبے کی اچھی نگہداشت فرمانا۔'' روایت میں ہے کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد عدت کی میعاد گزر گئی، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے بچوں کی کفالت ہو سکے، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ کچھ عرصے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کی دعوت لے کر ان کے گھر گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح میرے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے، لیکن میرے

مزاج میں غصہ ہے، اگر کبھی میں نے کوئی بات کہہ دی، تو میرا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے، پھر میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، یہ حضور ﷺ کو تنگ نہ کریں اور ان کی عبادت میں خلل نہ آئے۔ اس کے علاوہ میری عمر بھی ڈھل رہی ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو یہ باتیں بتائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ام سلمہ کے غصے کو حلم میں تبدیل کر دے گا۔ ان کے بچے میری سرپرستی میں ہوں گے اور میں خود ان سے عمر میں بڑا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کے اس جواب سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مطمئن ہو گئیں اور یوں ماہ شوال 4 ہجری کو آپ رضی اللہ عنہا کاشانہ حرم نبوی ﷺ میں داخل ہو گئیں۔ نکاح کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی عمر 29 سال تھی اور جس وقت حضرت ام سلمہؓ کا حضور ﷺ سے نکاح ہوا، اس سے پہلے حضرت زینب بنتِ خذیمہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا والا حجرہ انہیں دے دیا، جس میں دو چکّیاں، ایک گھڑا اور چمڑے کا ایک تکیہ، جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، موجود تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخذوم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ آپؓ کے پہلا نکاح عبد اللہ بن الاسد سے ہوا، جو زیادہ تر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے جانے گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد ابی امیہ کا شمار مکہ کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ ان کی فیاضی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کسی سفر پر جاتے، تو پورے قافلے کے اخراجات خود برداشت کرتے، اسی وجہ ان کا لقب "زاد الراکب" پڑ گیا تھا۔

حضور پر نور ﷺ اپنے صحابہ کے علاوہ اپنی ازواجؓ سے بھی مشورہ کرتے اور ان کے مناسب مشوروں پر عمل بھی کرتے تھے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ جب آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطراتؓ سے اہم امور پر مشورے کیے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ آپ ﷺ کی ذہانت، فراست اور بلاغت بھی سامنے آگئی اور امت کو یہ پیغام بھی پہنچ گیا کہ اہم امور پر اپنی رفیقہ حیات سے تبادلہ خیال کرنا اور مشورہ لینا عین سنت ہے۔ اس طرح معاملات سمجھنے اور سمجھانے کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا حضور اکرام ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ جبریل امین علیہ السلام حضرت وحیہ کلبی کی شکل میں تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے باتیں کرنے لگے، جب چلے گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ام سلمہؓ تم نے پہچانا یہ کون تھے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ دحیہ کلبی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ دحیہ کی شکل میں جبریل علیہ السلام تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت فصیح اللسان تھیں۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ ان کے فتوے کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام فتوے متفق علیہ ہیں۔ صاحب الاصابہ نے لکھا ہے کہ وہ کامل العقل بھی تھیں اور صائب الرائے بھی۔ قرآن مجید بہت عمدہ پڑھتی تھیں اور حضور ﷺ کی طرز پر پڑھنے کی خصوصی صلاحیت رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ قرآن کیسے پڑھتے تھے، تو آپ نے جواب دیا کہ ایک ایک آیت الگ الگ پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کو ظاہری اور باطنی جمال کے ساتھ، علم، ذہانت، سخاوت، فصاحت و بلاغت، وسیع القلبی اور پختہ رائے کی نعمتوں سے نوازا تھا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بڑی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ ہر ماہ کے تین دن پیر، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے 378 احادیث مروی ہیں۔ فضل و کمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعد انہی کا درجہ مسلم ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تمام ازواجِ مطہراتؓ کے بعد 63 ہجری میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر 84 برس تھی۔ اس زمانے میں ولید بن عقبہ مدینے کا گوزنر تھا۔ روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ وہ میری نماز جنازہ نہ پڑھائے، اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، جنہوں نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (طبرانی)

تھوڑی سی عبادت بہت سا صلہ دیتی ہے
گلاب کی طرح چہرہ کھلا دیتی ہے
اللہ کی یاد کو دل سے کبھی جانے نہ دینا
کبھی کبھی چھوٹی سی دعا بھی عرش ہلا دیتی ہے

ساتویں زوجہ رسول ﷺ

ام المومنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

جن کا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا اور گواہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔

امام الانبیاء سرکار دوجہاں شہنشاہِ کون و مکان سرور کائنات سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں، حضرت زید بن حارثہ تشریف لاتے ہیں آج کچھ بجھے بجھے سے لگ رہے ہیں، چہرے پر رنجیدگی اور فکر کے آثار پا کر سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں۔ ''کیا بات ہے زید کچھ پریشان دیکھائی دے رہے ہو؟'' حضور اکرم ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ان کی اندرونی کفیت کا اندازہ کر لیا کرتے تھے۔ جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! میری اہلیہ مجھ سے خوش نہیں رہتی حالانکہ میں بڑی کوشش کرتا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ انہیں طلاق دے دوں۔ آخری جملہ کہتے ہی حضرت زید رضی اللہ عنہ بڑے افسردہ ہو گئے۔ مگر یہ تو کوئی اچھا عمل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو انتہائی ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے تم انہیں طلاق نہ دو۔ حضور اکرم ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے ہیں صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بڑا مرتبہ ہے انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد

اور معزز خاندان کے چشم وچراغ تھے لیکن قسمت کا فیصلہ تھا کہ انہیں بچپن میں اغوا کر لیا گیا اور پھر مکہ لا کر فروخت کر دیا گیا۔اس معصوم اور بھولے بھالے بچے کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا۔ حضرت زید بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ماں ہی سمجھتے تھے اور ان کی بیٹیوں سے بہنوں کی طرح محبت کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید کو دیکھتے تو اپنی محسنہ اور خدمت گزار بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا یاد آجاتیں۔اس حوالے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔لوگ حضرت زید کو زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے لیکن جب سورۃ الاحزاب کی یہ آیت نازل ہوئی، ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔(سورۃ الاحزاب:۴۰) تو اس کے ساتھ ہی حکم ہوا: مومنو! لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔(سورۃ الاحزاب:۵) تو صحابہ نے انہیں زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا۔ حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کی کنیت ام الحکم تھی۔آپ رضی اللہ عنہا خاندانِ بنو ہاشم سے تعلق رکھتی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ حضرت عبدالمطلب کی بیٹی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔یوں تو آپ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد ہوئیں۔خاندانِ بنو ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عربوں میں بڑی عزت و مرتبہ اور اعلیٰ مقام حاصل تھا، پورے حجاز میں کوئی بھی ان کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی انہیں اپنی شان و شوکت اور اعلیٰ نسب

پر بڑا ناز تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن اور باطنی خوبصورتی سے بھی نوازا تھا ان کے مقابلے میں اگرچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد خاندان کے فرزند تھے لیکن ان پر غلامی کا داغ چسپاں تھا اور اس وقت کے جاہلانہ دور میں اس بات کا تصور نہیں تھا کہ قریش کے کسی اچھے گھرانے کی دوشیزہ کا نکاح کسی غلام سے کر دیا جائے جب کہ حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے خاندان کا مقام و مرتبہ بہت ہی بلند وارفع تھا۔ حالانکہ حضرت زید نہایت ہی نیک، متقی اور صالح مسلمان تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ ان کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہو جائے۔ اس نکاح کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ عوام و خواص کو یہ پیغام پہنچے کہ اسلام میں حسب و نسب، شان و شوکت، امیر و غریب، کالے و گورے، چھوٹے و بڑے اور آقا و غلام میں کوئی امتیاز نہیں سب برابر ہیں۔ ہاں اگر کوئی امتیاز ہے تو وہ صرف تقویٰ کی بنا پر اور تقویٰ ہی بزرگی کا معیار ہے اس کے علاوہ مورخین نے جو دوسری وجہ لکھی وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کے گھر حضرت زیدؓ کے رشتے کا پیغام بھجوایا تو حضرت زینبؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زید کو پسند نہیں کرتی کیوں کہ وہ آزاد کردہ غلام ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس رشتے کے سلسلے میں ابھی گفت و شنید چل رہی تھی کہ رب کعبہ نے وحی کے ذریعے اپنے احکام نازل فرما دیئے: اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کا حکم دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے وہ

صریح گمراہی میں پڑا(سورۃ احزاب آیت :36)ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے واضح اور سخت حکم کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے واضح احکامات کے بعد ہماری یہ مجال نہیں کہ ہم اپنے فیصلے پر قائم رہیں اور گناہ کے مرتکب ہوں لہذا ہم نکاح پر راضی ہیں''یوں نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کے پیش نظر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح تو کرلیا لیکن دونوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی، گھر میں تلخیاں اور رنجشیں بڑھتی رہیں در اصل یہ سب منجانب اللہ تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جب بہت زیادہ پریشان ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ طلب کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے مشورہ دیتے کہ کسی بھی طرح سے نباہ کی کوشش کرو اور طلاق جیسے ناپسندیدہ فعل سے دور رہو۔اس طرح ایک سال بیت گیا اللہ رب العالمین نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات بتا دی تھی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے اور زینب رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ کیوں کہ یہ اللہ رب العزت کا فیصلہ تھا ایک سال کی مسلسل نااتفاقی کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیات نازل فرمائیں،

ترجمہ: اور جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ رکھے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالا

نکہ اللہ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی) اسے طلاق دے دی تو ہم نے اس سے تمہارا نکاح کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کے بارے) میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت نہ رکھیں (یعنی طلاق دے دیں) کچھ تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا (سورہ الاحزاب 37)

آیت مذکورہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ سب اللہ کی مرضی سے ہو رہا تھا، دراصل رب العالمین کا مقصود معاشرے کی ایک بڑی برائی کا خاتمہ تھا اور اس اہم کام کے لیے اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو منتخب کیا تھا۔ لہذا جب حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان طلاق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دل شکنی کے تدارک اور ان کی دلجوئی اور ان کے ذریعے اس بری رسم کو ہمیشہ کے لیے خاتمے کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح فرما دیا۔اس وقت عرب میں لوگ منہ بولے بیٹے کی منکوحہ سے نکاح اسی طرح حرام سمجھتے تھے جس طرح حقیقی بیٹے کی بیوی سے۔یہ رسم پورے معاشرے میں سرایت کر چکی تھی لیکن اللہ کا مقصد اب اس جاہلانہ رسم کا خاتمہ تھا اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کریں گے تو لوگوں پر اس کے اثرات زیادہ پڑیں گے۔اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کو آسان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح عرش معلیٰ پر فرما کر مذکورہ آیت کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اطلاع کروائی۔ حضرت زینب نے فرمایا "میں کوئی کام بغیر استخارے کے نہیں کرتی" ابھی وہ نماز کے لیے

کھڑی ہی ہوئی تھیں کہ حضور اکرم ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے آئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ذرا تعجب کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بغیر خطبے اور بغیر گواہ کے "آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والا اور جبرائیل گواہ ہیں۔" یوں 5 ہجری میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کاشانہ نبوی میں داخل ہو کر ازواج مطہراتؓ کے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہوئیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے دوسرے دن ولیمہ کی دعوت فرمائی جس میں روٹی اور بکرے کے گوشت کا سالن تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ملیدہ بنا کر بھجوایا۔ یہ بڑی شان دار اور سادہ دعوت تھی جس میں 300 افراد چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں آکر کھانا کھاتے رہے لیکن آخر میں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانا کھانے کے بعد اسی جگہ پر بیٹھ کر باتوں میں مشغول ہو گئے کیوں کہ یہ چھوٹا سا حجرہ تھا لہذا حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ایک کونے میں دیوار کی طرف منہ کیے الگ تھلگ بیٹھی تھیں، حالانکہ سب لوگ کھانا کھا کر جا چکے تھے لیکن چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے حضور اکرم ﷺ کو بڑی کوفت ہو رہی تھی آپ ﷺ بار بار اٹھتے اِدھر اُدھر جاتے لیکن مروت اور لحاظ میں خاموش رہتے۔ آخر کار حضور اکرم ﷺ کے اضطراب کو چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے محسوس کیا اور اٹھ کر چلے گئے لیکن اس اثناء میں حضور ﷺ دیگر ازواجؓ کی طرف تشریف لے گئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو سب کے جانے کی اطلاع دی لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ کا یوں پریشان ہونا پسند نہ آیا۔ اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیجا کہ جاؤ اور میرے محبوب ﷺ کو حجاب کے نفاذ کا حکم پہنچا دو جس کا ذکر سورۃ الاحزاب میں ہے۔ ترجمہ:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نبی ﷺ کے گھروں میں بن بلائے مت جایا کرو اور نہ کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہو۔ ہاں جب تمھیں کھانے پر بلایا جائے (اور کھانا تیار ہو جائے) تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔ اس بات سے نبی ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف صاف بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات (ہمیشہ کے لیے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تمہارے لیے ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کو تکلیف دو اور اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے تم خواہ کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے" (سورۃ الاحزاب: 54,53) نبی اکرم ﷺ ابھی گھر میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ حضرت جبرائیل امین پردے کے احکام لے کر حاضر ہو گئے۔ "اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (منہ) پر چادر لٹکا (گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر ان کے لیے موجبِ شناخت (و امتیاز) ہو گا تو کوئی انہیں ایذا نہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" (سورۃ الاحزاب: 59)

ان آیات کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ نے تمام ازواجِ مطہراتؓ کے حجروں پر پردے لٹکوا دیئے۔ سب سے پہلا پردہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حجرے کے باہر لٹکایا گیا۔ اس طرح اللہ رب العالمین نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے زریعے امت کے بہت سے معاشرتی مسائل کے بارے میں دوٹوک قوانین بنا کر ہمیشہ کے لیے رہنمائی فرما دی

جو مسلمانانِ عالم کی خانگی زندگیوں میں سکون ،اطمینان اور آسانیاں پیدا کرنے کا باعث بنیں۔قرآن نے عورت کو جو عزت و مقام دیا ہے وہ دنیا کے کسی مذہب میں دور دور تک نظر نہیں آتا اگر عورت ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔اگر بیوی ہے تو اسے گھر کی ملکہ بنادیا اور بیٹی ہے تو اتنی مقدس کہ فرشتے اس کی حرمت کی حفاظت اور اس کی عظمت کو سلام کرتے ہیں اگر ہماری بہنیں اور بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب میں بیان کردہ خواتین کے حقوق اور احکامات کو اپنا منشور بنالیں تو یقیناً حقوق نسواں کی تحریک نہ صرف دنیا کی تمام خواتین کے دل کی آواز ہو گی بلکہ ان کے لیے مشعل راہ بھی ہو گی۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا گھر ہے نماز عصر کی ادائیگی کے بعد نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لاتے ہیں "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس عمدہ شہد آیا ہے آپ نوش فرمائیں گے ؟" حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی اپنائیت اور محبت سے دریافت فرماتی ہیں "ہاں زینبؓ! تم جانتی ہو شہد مجھے مرغوب ہے" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رضامندی ظاہر کرتے ہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا جلدی سے شہد لاتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نوش فرماتے ہیں تعریف کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ روزانہ کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعد نماز عصر تمام ازواجِ مطہراتؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور ازواجِ مطہراتؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتظار کیا کرتیں آج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر زیادہ دیر ٹھہرنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تجسس ہوا معلوم کیا تو پتا چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہد نوش فرما رہے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "مجھے رشک آیا میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مغافیر (مغافیر ایک گوند ہے جس کی عجیب سی بو ہوتی ہے)نوش فرمایا ہے" چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "میں نے شہد پیا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس چونکہ فرشتے تشریف لاتے رہتے تھے اور ویسے بھی

آپ ﷺ کو کسی بھی قسم کی بو سخت ناپسند تھی لہذا آپ ﷺ نے قسم کھالی تھی کہ میں آئندہ شہد نہیں کھاؤں گا اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے تاکید فرما دی کہ زینبؓ کو نہ بتانا، ورنہ اسے رنج ہو گا لیکن ان بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات دوسری کو بتادی یہ واقعہ سورۃ تحریم کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب بنا۔ اس واقعہ میں امت مسلمہ کے تمام شوہروں کے لیے کتنا بڑا سبق پوشیدہ ہے خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو اپنی بیویوں کو کم تر سمجھتے ہیں اور ان سے ہتک آمیز سلوک روا رکھتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ صنعف نازک کو جہاں اللہ نے نزاکت نفاست عطا فرمائی اسے حساس دل کے ساتھ شرم وحیا کا زیور بھی عطا فرمایا اور صبر ووفا کی پتلی بھی بنایا۔ یہ شوہر کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے احساسات و جذبات کا اسی طرح خیال رکھے جس طرح آقائے دوجہاں، رحمت دوعالم، شہنشاہ کون ومکاں، حضور تاج دار مدینہ ﷺ اپنی بیویوں کا رکھا کرتے تھے آپ ﷺ ان کے درمیان بہترین عدل وانصاف قائم رکھتے اور ان میں سے کسی کو بھی کسی قسم کی محرومی کا احساس نہ ہونے دیتے تھے ایک سفر کے دوران خواتین اونٹوں پر بیٹھی تھیں اونٹ چلانے والوں نے اونٹوں کی رفتار تیز کردی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اونٹوں کو آرام سے چلاؤ! ان پر آئینے اور آبگینے بیٹھے ہیں' واقعہ افک میں جب عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا تو بدقسمتی سے چند صحابہؓ بھی منافقین کے اس مکروہ پروپیگنڈے کا شکار ہوئے جن میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت حمنہ بنت جحشؓ بھی شامل تھیں مورخین کے خیال میں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بہن کی سوتن تھیں لیکن اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں معلوم کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہ پایا۔ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتی کہ وہ بہت بلند

اخلاق اور بہترین خاتون ہیں'' یہ سچائی ایمان داری اور خوفِ خدا کے جذبے سے سرشار حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عظمت اور ان کے اعلیٰ کردار کی ایک جھلک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوسری ازواجِ مطہرات کو بڑے فخر سے بتایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تو گھر والوں نے کیا لیکن میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا اور جبرائیلؑ میرے گواہ تھے۔ یہ منفرد اعزاز تمام ازواجِ مطہراتؓ میں صرف حضرت زینب بنت جحشؓ ہی کو حاصل ہوا۔ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلے نام برہ تھا، جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرما کر زینب کر دیا تھا آپ کی کنیت ام الحکم ہے آپ نے ابتدائی زمانے ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ کتب احادیث میں آپ سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے جن زوجہ محترمہؓ کا انتقال ہوا وہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے تین سال بعد 53 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ انتقال کے روز مدینہ میں شدید گرمی تھی لہذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قبر کی جگہ پر خیمہ نصب کروا دیا تا کہ قبر کی کھدائی اور تدفین کے دوران دھوپ کی تپش کچھ کم ہو جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کے بھانجوں اور بھتیجوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ دین دار، پرہیز گار، راست گفتار، فیاض، مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں سرگرم کوئی اور نہ دیکھا'' (صحیح مسلم) آپ فرماتی ہیں کہ ''جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینے کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی مچ گئی اور وہ گھبرا گئے'' (ابن سعد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ازواجِ مطہراتؓ میں اگر کوئی میری برابری اور ہم سری کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں'' بے شک امہات المومنینؓ کی حیات طیبہ ہمارے لیے روشن قندیلیں ہیں کہ جن کی

پاکیزہ، خوبصورت کرنوں سے ہم اپنی گھریلو زندگی کو خوشیوں کا گہوارا بنا کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

نکاح کی حکمتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ام المومنین کے نکاح میں بہت سی حکمتیں بیان ہیں جنہیں اللہ جل شانہ نے اس نکاح کے ذریعے اپنی مخلوق کی بھلائی کے لئے عام فرمایا:

۱) لوگوں کو ان کے حقیقی باپ کے نام سے پکارا جائے۔

۲) جاہلیت کی رسم متبنیٰ کا خاتمہ، لے پالک بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہو سکتے۔

۳) آیات حجاب کا نزول، جن میں حجاب کے بنیادی اصول وضع کر دیئے گئے۔

۴) پردے کے بارے میں آیات کا نزول، جن میں پردے کے بارے میں تفصیلی احکامات جاری کئے گئے۔

۵) سورۃ تحریم کی ابتدائی آیات کا نزول اور احکامات۔

۶) اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سب سے افضل ہے۔

آٹھویں زوجہ رسول ﷺ

ام المومنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

حب رسول ﷺ اور توکل علیٰ اللہ کی عملی تصویر

غزوہ بنو مصطلق اپنے انجام کو پہنچا مجاہدین کو فتح نصیب ہوئی، شکست کفار کا مقدر بنی اور وہ لاشیں چھوڑ کر اپنے سردار سمیت بھاگ کھڑے ہوئے قیدی اور مال غنیمت تقسیم کیا جا رہا ہے، دور ایک کونے میں سب سے الگ تھلگ ایک نوجوان خوبصورت اور کم عمر خاتون بڑی اداس بیٹھی اپنی قسمت کے فیصلے کی منتظر ہے۔ یہ عرب کے رئیس اور بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی ہونہار بیٹی جویریہ ہیں۔ ناز و نعم اور شان و شوکت میں پلی بڑھی اس خاتون نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا کہ ایک دن وہ جنگی قیدی بن کر لا وارثوں کی طرح غلامی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے زندگی گزارنے پر مجبور ہو گی۔ کچھ ہی دیر بعد بے بسی و بے کسی کی تصویر اس خاتون کو مشہور صحابی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نیک، شریف، نہایت متقی اور بلند کردار واخلاق کے حامل انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز میں گرج اور خطابت میں جوش وولولہ عطا فرمایا ہے، دلائل سے اپنی بات منوانے کے فن کے ماہر، نبی مکرم ﷺ ان کی خوبیوں کی قدر کرتے ہیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ ان کے حصے میں آنے والی لونڈی شریف زادی ہے۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ''تم اتنی پریشان کیوں ہو؟'' جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی نیک فطرت کا اندازہ

کر چکی تھیں جلدی سے بولیں ”اے اللہ کے نیک بندے ! کیا یہ ممکن ہے کہ تم مجھ سے مکاتب کر لو (یعنی کچھ رقم لے کر مجھے آزاد کر دو)“ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ”اگر تم اس میں خوش ہو تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں“ جویریہ رضی اللہ عنہا خوش ہو کر ان کا شکریہ ادا کرتی ہیں اور اب انہیں فکر ہے کہ یہ رقم کیسے حاصل کی جائے انہوں نے سن رکھا تھا کہ مسلمانوں کے سربراہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی سوالی کو اپنے گھر سے نامراد نہیں لوٹاتے۔ جویریہ رضی اللہ عنہا ہمت کر کے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اس وقت وہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”جب جویریہ رضی اللہ عنہا میرے سامنے آئی تو میں حیران رہ گئی وہ حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں جو کوئی بھی انہیں دیکھتا دیکھتا ہی رہ جاتا“ جویرہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتی ہیں کہ ”اے اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بدقسمت بیٹی ہوں اس جنگ میں میرے شوہر مارے گئے والد شکست کھا گئے اور اب میں بہت سے دیگر لوگوں کے ساتھ جنگی قیدی بن کر ثابت بن قیسؓ کی ملکیت میں ہوں اور میرا مالک مکاتبت پر راضی ہے لیکن میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے“ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ظاہری حسن و جمال کے علاوہ آدابِ مجلس اور فنِ گفتگو میں بھی قدرت رکھتی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ یہ نجیب الطرفین اور نیک خاتون ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جویریہ رضی اللہ عنہا کے عاجزی وانکساری سے کئے ہوئے سوال کو غور سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ ان کے سامنے مظلومیت کی تصویر بنی یہ عورت ایک بہت بڑے قبیلے کی آنکھوں کا نور ہے یہ اگر مسلمان ہو گئی تو مدینہ اور اس

کے آس پاس غیر مسلم اور یہودی آبادیوں میں اس کے بڑے مفید اور دوررس نتائج برآمد ہوں گے جو کفر کی اس زمین پر اللہ کی واحدنیت کے بہت تیزی سے پھیلنے کا سبب بنے گے۔ سرور کائنات ﷺ کی بصیرت افروز نگاہیں آئندہ کے مناظر کی تصویر کشی کر رہی تھیں جس میں آپ ﷺ اس عورت کے پورے قبیلے کو مشرف بہ اسلام دیکھ رہے تھے یہی وہ لمحات تھے کہ جب اللہ نے اپنے محبوب کے دل میں ایک خیال ڈالا آپ ﷺ نے فرمایا''کیا اس سے بہتر یہ نہیں کہ میں تمہاری رقم تمہارے مالک کو ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں ؟''جنگی قیدی مصیبت کی ماری اس بدحال عورت نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ مدینے کے حاکم مسلمانوں کے سربراہ اللہ کے نبی ﷺ مجھے اپنی زوجہ بنانے کی پیش کش کریں گے حیرت اور خوشی کے مارے ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور پھر اپنی دلی کفیت کا اظہار انہوں نے یوں کیا''اے اللہ کے سچے رسول ﷺ اس سے بڑھ کر میری خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔''جویریہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی اسلام کی حقانیت کی قائل تھیں لہذا فوری اسلام قبول کر لیا۔ نبی محترم ﷺ نے ان کی رقم ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے بلند اور اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار سو درہم حضور اکرم ﷺ نے انہیں ادا فرما دیا۔ نکاح کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر 20 سال تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول کرنے اور حضور ﷺ سے نکاح کی خوشی میں انصار مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبیلہ بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اس طرح ان سو خاندانوں نے بہ خوشی اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہونے سے پہلے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے تبدیل

فرما کر جویریہ رضی اللہ عنہا رکھ دیا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ قبیلہ بنو مصطلق سے تھا آپ کے والد حارث عرب کے رئیس اور بنو مصطلق کے سردار تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب تواریخ کی کتب میں کچھ یوں تحریر ہے، جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عابد بن مالک بن جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے چچازاد مسافع بن صفوان سے ہوا جو اسی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ غزوہ بنی مصطلق جنگی نقطہ نظر سے کوئی بھاری بھر کم غزوہ نہیں تھا لیکن اس کے دوران پیش آنے والے چند اہم واقعات کی وجہ سے تاریخ میں اسکی بڑی اہمیت ہے۔ واقعہ افک جس میں عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا اور اللہ نے وحی کے ذریعے ان کی حرمت اور پاکیزگی کی گواہی دی اسی غزوہ سے واپسی پر دوران سفر پیش آیا۔ غزوہ بنو مصطلق شعبان 5 ہجری کو ہوا، اس جنگ کا اصل سبب یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث مسلمانوں سے جنگ کے لیے بڑا لشکر تیار کر رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو اصل صورت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا انہوں نے وہاں جا کر حالات معلوم کیے اور واپس آکر جنگ کی تیاری کی تصدیق کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوری طور پر اسلامی لشکر کی روانگی کے احکامات جاری فرما دیے۔ شعبان 5 ہجری کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے 96 میل دور چشمہ ''مریسیع'' پر پہنچے حارث کو مسلمانوں کی برق رفتاری کا اندازہ نہ تھا اس کی فوج کو جب مسلمانوں کے آنے کی خبر ملی تو بہت سے لوگ مجاہدین اسلام کی ہیبت سے بھاگ گئے، حارث بچی کچھی فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا لیکن بہت جلد میدان میں اپنے فوجیوں کی لاشیں چھوڑ کر

بھاگ کھڑا ہوا مسلمانوں کو اللہ نے فتح نصیب فرمائی، غزوہ میں بہت سی عورتیں بچے مویشی اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث ابن ابی ضرار عرب کے بڑے سرداروں میں سے ایک تھے انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ ان کی بیٹی مسلمانوں کی غلامی میں رہے لہذا وہ بہت سا مال واسباب اونٹوں پر لاد کر اپنی بیٹی کی رہائی کے لیے مدینہ آئے۔ راستے میں انہوں نے قیمتی سامان سے لدے ہوئے دو خوبصورت اونٹ عقیق کے مقام پر کسی گھاٹی میں چھپا دیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی روایات کے مطابق مہمان عرب سردار کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے ہوئے انہیں عزت واحترام سے ٹھہرایا اور جب گفتگو کا دور چلا تو حارث نے کہا کہ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ سے اپنی بیٹی کی رہائی کے بارے میں بات چیت کرنے آیا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ یہ سب مال واسباب آپ لے لیں اور میری بیٹی کو رہا کر دیں'' نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے کہا اے مہمان یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن پہلے یہ تو بتائیں کہ ''آپ نے وادی عقیق میں دو اونٹ کیوں چھپائے'' حارث کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اس بات کی اطلاع ان کو بھی مل جائے گی انہوں نے حیران وپریشان ہوتے ہوئے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو اس بات کا پتا کیسے چلا'' نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ بات میرے رب نے مجھے بتائی جس کے قبضے میں میری اور تمہاری جان ہے'' حارث چوں کہ پہلے ہی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے رب کے احکامات کے بارے میں کافی معلومات رکھتے تھے مدینہ آنے سے پہلے انہوں نے مسلمان معاشرے سے اسلامی تعلیمات کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا وہ پڑھے لکھے باشعور اور جہاں دیدہ شخص تھے انہوں نے اپنی بیٹی کو بھی ادب

وآداب اور علم کی دولت سے فیض یاب کیا تھا، لہذا اس واقعہ کے بعد انہیں یہ کامل یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں چنانچہ انہوں نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے ان کے مسلمان ہونے کے بعد نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "حارث اب آپ جس مقصد سے آئے ہیں اس پر بات کر لیتے ہیں، ہم آپ کی بیٹی کو بلا کے آپ سے ملوا دیتے ہیں وہ جو فیصلہ کریں گی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قبول ہو گا" ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو بلایا گیا اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باپ بیٹی کو تنہائی میں ملاقات کا موقع فراہم کر دیا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سے فرمایا: ابا حضور! آپ کی فراہم کردہ تعلیم نے مجھے جھوٹ اور سچ، حق و باطل کا فرق سمجھنے کے قابل بنایا جب تک میں باطل کے اندھیروں میں تھی مجھے حق کی روشنی کا کوئی علم نہ تھا لیکن جب میں حادثاتی طور پر اس جنگ کے نتیجے میں باطل کے اندھیروں سے نکل کر حق کی پاکیزہ روشنیوں میں آئی تو میرے شعور نے حق و باطل کے فرق کو پہچان لیا اور مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ میں نے اللہ کی واحدنیت کے اقرار میں بہت دیر کر دی یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کفر کے اندھیروں سے نکال کر صراط مستقیم پر ڈال دیا میں نے بہ خوشی اسلام قبول کر لیا ہے اور اللہ کے رسول نے مجھے ایک بڑے انعام سے نوازا ہے میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح کر لیا ہے۔ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب اپنے والد سے یہ بات کر رہی تھیں اس وقت ان کے معصوم روحانی چہرے پر نور کی پاکیزہ کرنیں، قوسِ قزح کے رنگ بکھیر رہی تھی اور باپ چہیتی بیٹی کے حوروں کی طرح مقدس چہرے کو دیکھ کر نہال ہو رہے تھے۔آنکھوں سے چھلکنے والے خوشی کے آنسوؤں

کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے حارث رضی اللہ عنہ گویا ہوئے ”بیٹی ! میں نے بھی اللہ کی وحدانیت اور کبریائی کا اعلان کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا ہے“ جویریہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ خوشخبری بالکل اچانک تھی والد کو قبول اسلام پر مبارک باد دیتے ہوئے دونوں باپ بیٹی اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور پھر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد پورا قبیلہ بنو مصطلق مسلمان ہو گیا جن میں آپ رضی اللہ عنہا کے دونوں بھائی عبد اللہ بن حارث اور عمرو بن حارث کے علاوہ آپ کے بہن عمرۃ بنت حارثؓ بھی شامل تھیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے اس دور اندیش فیصلے نے ہجرت کے ابتدائی دنوں میں مسلمانوں کی اجتماعی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی قوت میں از حد اضافہ کیا جو یہودیوں میں تبلیغِ دین میں معاون و مددگار ثابت ہوئی۔ بلا شبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہراتؓ حسب نسب اور شان و شوکت میں بلند و ارفع مقام رکھتی تھیں، رئیسوں سرداروں اور بڑے مشہور گھرانے کی نورِ نظر اور لخت جگر تھیں کہ جن کے قرب و جوار سے بھی کبھی غربت کے اندھیروں کا گزر نہ ہوا۔ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا مکہ کے سب سے بڑے تاجر کی صاحبزادی اور خود بھی امیر و کبیر خاتون تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رئیس قریش حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنو نضیر اور خیبر کے رئیس اعظم کی نورِ نظر اور حضرت ہارون کی نسل سے تھیں، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سردارِ مکہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی لخت جگر تھیں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو مصطلق کے سر

دار حارث رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی خاندانِ قریش کے اعلیٰ گھرانوں کی ناز و نعم میں پلی بڑھی لڑکیاں تھیں جن کا رہن سہن امیرانہ اور ماحول رئیسانہ تھا جو شاہانہ زندگی کی عادی تھی جب کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس و متبرک زندگی فقر و فاقہ، صبر و استقلال سے مزین تھی جو جہد مسلسل کی عملی تصویر تھی جہاں حجرہ ازواج میں کئی کئی دن تک چولہا نہیں جلتا تھا، جہاں لباس و پوشاک پیغمبرانہ، تو گھر کا ساز و سامان فقیرانہ جو مالِ غنیمت بھی آتا تو گھر سے باہر ہی غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم ہو جاتا، تنگ دستی و جفاکشی کے ان حالات میں بھی امہات المومنینؓ صبر و وفا ایثار و قربانی کا پیکر تھیں اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سرشار تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی اسلام لانے سے پہلے شاہانہ ماحول اور شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھیں جب کاشانہ حرم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں رونق افروز ہوئیں تو انہیں بھی عام امہات کی طرح ایک چھوٹا سا حجرہ کھجور کی شاخوں کی چھت اور کچی مٹی کی اینٹوں کی دیواریں وہی دروازے پر کمبل، کچھ ملا تو کھا لیا ورنہ چند کھجوریں اور پانی کئی وقتوں کے لیے کافی۔ رب کعبہ چاہتا تو اپنے محبوب کے قدموں میں دنیا بھر کے خزانوں کو جمع فرما دیتا لیکن حکمت و مصلحت کے تقاضوں کے پیش نظر یہاں تو مطلوب و مقصود رہتی دنیا تک کے لیے فکر و فاقہ ایثار و وفا حبِ رسول اور توکل علی اللہ کی ایسی روحانی مثال قائم کرنا تھی، جہاں امت کی ماؤں کی حیاتِ طیبہ ہر دور میں ثابت قدمی اور عزم و حمیت کا ایک روشن مینار نظر آئے اور جس کی پرنور کرنیں دنیا بھر کے اندھیروں میں اجالا کر دے۔

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتیں ایک روز صبح نمازِ فجر کے بعد دعا میں مشغول تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ادھر سے گزرے آپ کو دیکھا اور چلے گئے دوپہر کے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آئے تو دیکھا کہ آپ اسی حالت میں بیٹھی ہیں جس حال میں صبح چھوڑا تھا ان کی عبادت کے شغف کو دیکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں کچھ خاص کلمات سکھائے اور فرمایا" اگر تم یہ پڑھتی رہی تو نفلی عبادت سے بھی زیادہ ثواب ملے گا" ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت متحمل مزاج اور بردبار خاتون تھیں میانہ روی قناعت سخاوت ووسیع القلبی، اور حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے خاص اوصاف تھے۔ فصیح و بلیغ مقررہ تھیں ویسے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام ازواج سے محبت و احترام سے پیش آتے لیکن حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی عبادت و تقویٰ کو بہت پسند فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے کسی بھی عورت کو جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں پایا جن کے سبب بنو مصطلق کے سیکڑوں خاندانوں کو آزادی نصیب ہوئی" حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے سات احادیث منقول ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے تمام زندگی مدینے ہی میں گزاری 50 ہجری میں پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔ محسن انسانیت سرکار دوجہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث نے اپنی باقی زندگی قوم کی ماؤں کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دی۔

نویں زوجہ رسول ﷺ

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

جن کی پوری زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے

دروازے پر دستک ہوتی ہے، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جاکر دیکھتی ہیں تو ان کے والد ابوسفیان کھڑے ہیں جو مکہ سے تشریف لائے ہیں۔ وہ گھر میں داخل ہوکر بستر پر بیٹھنا چاہتے ہیں کہ اچانک صاحبزادی بستر کو الٹ دیتی ہیں۔ والد حیران بھی ہوتے ہیں اور انہیں ناگوار بھی گزرتا ہے۔ برہم ہوکر بیٹی سے کہتے ہیں۔ ""تمہیں اس بستر پر باپ کا بیٹھنا بھی پسند نہیں؟"" ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ادب و آداب ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیتی ہیں ""بے شک مجھے پسند نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دنیا کے سب سے پاکیزہ اور برگزیدہ شخص کا بستر ہے، جب کہ آپ ابھی تک کفر و شرک میں مبتلا ہیں"" ابوسفیان نے گھور کر بیٹی کو دیکھا، لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اور بولے ""تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی ہے"" یہ ہے ایمان کا وہ اعلیٰ درجہ کہ جس میں ایک مسلمان بیٹی نے اپنے مشرک باپ کا اللہ کے نبی کے بستر پر بیٹھنا گوارا نہ کیا اور یہ ہیں والد عرب کے بڑے رئیس، مکہ کے سردار، مشرکین کی فوج کے سپہ سالار، مسلمانوں کے جانی دشمن ابوسفیان۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ والد ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، والدہ صفیہ بنت ابی العاص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ بعثت نبوت سے 17 سال

قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔(اصابہ) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پھوپھی زاد، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور شہید احد عبد اللہ بن جحشؓ رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا۔ عبید اللہ سے بیٹی ہوئی جس کا نام حبیبہ تھا، اسی کے نام پر آپ کی کنیت ''ام حبیبہ'' ہے (طبقات ابن سعد) اسلام کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہو رہا ہے۔ مکہ میں قوس قزح کی کرنیں بکھیرتی ایک نئی صبح بہاراں نمودار ہو چکی ہے۔ تین سال تک خفیہ دعوتِ دین کے بعد اہل ایمان کی ایک جماعت تیار ہو چکی ہے۔ ربِ کائنات نے وحیِ الٰہی کے ذریعے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت دے دی کہ اب قوم کو کھلم کھلا دین کی دعوت دیں، ان باطل قوتوں سے ٹکرائیں اور ان کے پتھروں کے خداؤں کی حقیقت واشگاف کریں۔ سورۃ الشعراء میں اللہ نے آپ سے فرمایا: اب آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایئے۔ اور یہی وہ وقت تھا کہ جب مکہ کے سردار ابوسفیان کی بیٹی نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ دین اسلام قبول کیا۔ اس وقت ایک چھوٹی سی جماعت ہی مشرف بہ اسلام ہوئی تھی۔ ان سرفروشانِ اسلام نے شرک کی خرافات کا پردہ چاک کرنا شروع کیا، بتوں کی حقیقت کو بے نقاب کیا، تو کفارِ مکہ کا احساسِ غضب پھٹ پڑا۔ مکہ کے ناخدا، ابوسفیان، ابوجہل اور ابولہب اس نئی افتاد پر چراغ پا ہو گئے اور تحقیر، استہزاء وتکذیب، ایذارسانی، جور وستم، ظلم وتشدد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ناروا تہمتیں، گالیاں، تشدد و مار پیٹ، اوباشوں، سرداروں اور ان کے حواریوں کی گھناؤنی پر تشدد کاروائیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں۔ ظلم وستم کے بادل چھٹنے کا نام نہ لیتے۔ مسلمانوں کو جور وستم کا تختہ مشق بنانے کے

نئے نئے طریقے مشرکین کے غصہ وغضب کے شعلوں کو مزید بھڑکا رہے تھے۔ایسے مشکل ترین حالات میں اللہ تعالیٰ نے سرفروشوں کی حفاظت کے لیے ہجرت کی ہدایت فرمائی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سورۂ زمر کی آیت لے کر حاضر ہوئے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے اس دینا میں اچھائی کی، ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے'' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سورۂ کہف میں بھی نبی محترم ﷺ کو ہجرت کا اشارہ دے چکے تھے۔اب واضح ہدایت کے بعد رجب 5 نبوی کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی امانت میں 16 افراد نے حبشہ ہجرت کی۔ حبشہ کے باوشاہ نجاشی کے حسن سلوک کے باعث کچھ دن بعد مزید 83 مرد اور 18 خواتین حبشہ ہجرت کر گئے۔ان میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر عبید اللہ کے ساتھ شامل تھیں۔ایک شب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر عبید اللہ کو خواب میں انتہائی مکروہ شکل میں دیکھا۔آنکھ کھلی تو اپنے رب سے توبہ استغفار میں مصروف ہو گئیں۔اس خواب نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ان کا دل کہتا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ادھر دوسری طرف ان کا شوہر عبید اللہ جو مکہ میں مشرکین کے سامنے استقامت کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا جبکہ حبشہ کے آزادانہ ماحول میں غلط راہوں پر چل نکلا۔بدقماش عیسائی نوجوانوں کی دوستی نے اسے دین اسلام سے دور کر دیا۔ایک دن اپنی بیوی سے کہنے لگا۔''ام حبیبہ! میں مذہب کے معاملے پر بہت دن سے غور کر رہا تھا، اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عیسائیت سے بہتر کوئی مذہب نہیں لہٰذا میں اسلام ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں تم بھی میرا ساتھ دو'' شوہر کی بات سن کر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہوش وحواس اڑ

گئے۔ خواب کی وجہ سے ویسے ہی پریشان تھیں، پھر کچھ دن سے شوہر کی بدلتی عادات دیکھ رہی تھیں۔ بولیں ''میں نے اسلام کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا ہے، جس دین کی خاطر میں نے پورے قبیلے اور خاندان سے دشمنی مول لی، جس دین کی خاطر میں نے اپنے والدین سے قطع تعلق کیا، اپنا ملک چھوڑا، دیارِ غیر میں ہجرت کی، اس دین کو ایک بدقماش شوہر کی فرمائش پر کیسے چھوڑ سکتی ہوں؟ میں تمہیں بھی نصیحت کرتی ہوں کہ اللہ سے توبہ کرو اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو کہ یہی راہِ نجات ہے۔'' لیکن عبیداللہ تو اللہ کی راہ سے بھٹک چکا تھا۔ اللہ نے اس کے لیے ہدایت کے راستے بند کر دیئے تھے۔ وہ مرتد ہو کر ذلت کی گہری کھائیوں میں گرتا چلا گیا، عیاشی اور مے نوشی نے اس کی دین اور دنیا دونوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسے راہ راست پر لانے کی بڑی کوشش کی، لیکن اس کے دل پر تو جیسے مہر لگ چکی تھی۔ بالآخر اپنے دین کے لیے کفر کے پہاڑوں کی چٹانوں سے ٹکرانے والی اسلام کی اس قابل فخر عزت مآب بیٹی نے اپنے بدنصیب شوہر سے علیٰحدگی اختیار کر لی۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مرتد عبیداللہ اپنے کاندھوں پر گناہوں کا گٹھڑ الادے اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ عبیداللہ پہلا شخص تھا کہ جو مسلمان سے عیسائی ہو کر مرتد ہوا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے وطن سے دور، دیار غیر میں اپنی معصوم بیٹی کے ساتھ تنہا موجود ہیں، پریشانیوں کا کوہِ گراں، مصائب کا ہجوم اور ابتلاء و آزمائش کی بے رحم گھڑیاں ان کے ساتھ ہیں۔ بہ ظاہر حالات انتہائی حوصلہ شکن ہیں، لیکن قوت ایمانی کی بدولت اپنے اللہ سے ہر وقت ثابت قدم رہنے کی دعائیں کرتی ہیں۔ انہیں یقین کامل ہے کہ ہر وقت شہ رگ سے قریب رہنے والا اللہ اپنے مقررہ وقت

پر ان کے لیے کوئی بہتر فیصلہ فرمائے گا۔انہیں وحی کے وہ الفاظ یاد ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: اللہ کا وعدہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں صعوبتیں اور تکالیف برداشت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنا راستہ ضرور دکھاتے ہیں (سورۃ العنکبوت: 69) اور پھر ایک دن کہ جب وہ اپنے ماضی میں گم، صبر و شکر کی تصویر بنی بیٹھی تھیں کہ اچانک گھر کے دروازے پر دستک ہوتی ہے، دیکھا کہ ایک عورت اندر داخل ہو رہی ہے، وہ اپنا تعارف کرواتے ہوئے بتاتی ہے کہ ”میں حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی باندی ہوں“ آپ رضی اللہ عنہا اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں۔ابھی آپ کچھ کہنے بھی نہ پائی تھیں کہ باندی کی آواز سماعتوں سے ٹکراتی ہے ”اے اللہ کی نیک اور برگزیدہ بی بیؓ! میں تمہیں مبارک باد دینے آئی ہوں کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ اور مدینہ کے بادشاہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے، مدینہ سے ان کا قاصد پیغام لے کر ابھی ابھی شاہ حبشہ نجاشی کے پاس پہنچا اور بادشاہ نے مجھے یہ خوشخبری آپ کو سنانے کا حکم دیا۔“ اللہ تعالیٰ کے فیصلے بھی بڑے حکمت والے ہوتے ہیں، وہ چاہے تو بادشاہ کو گدا بنادے اور گدا کو بادشاہ۔ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رب کعبہ نے اپنی راہ میں ثابت قدم رہنے کا اتنا بڑا انعام دیا کہ جس کا کبھی ان کے خواب و خیال میں گمان بھی نہ تھا۔انہیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا، سوچ رہی تھیں کہ کیا اس کی ذات پر کامل یقین کا اتنا بڑا صلہ؟ کنیز نے جب ان کو عالم تجسس میں دیکھا تو بولی ”بادشاہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے کسی وکیل کا نام بتادیں، جو آپ کا نکاح کرواسکے“ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عرب کے رئیس ابو سفیان کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔فراخ دلی ورثے میں ملی تھی۔غریب الوطنی

میں بھی مسرت و شادمانی کے ان لمحات میں اپنے ہاتھ میں پہنے چاندی کے کنگن اور انگوٹھیاں باندی کو بطور انعام دے دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور عبید اللہ کے واقعات سے لاعلم نہیں تھے۔ آپ اپنے ہر ساتھی کے بارے میں مکمل آگاہی رکھتے تھے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل امیں کے ذریعے آپ کو بہت سے واقعات سے مطلع فرما دیتا۔ آپ ﷺ کو جب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حالات کا علم ہوا، تو آپ ﷺ غمگیں ہو گئے۔ آپ ﷺ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی جواں ہمتی، بہادری، استقلال، عزمِ مصمم اور ثابت قدمی سے بہت متاثر تھے۔ مکے میں رہیں، تو پورے خاندان اور قبیلے کے سامنے سب سے پہلے اللہ کی کبریائی اور وحدانیت کا اعلان کر کے والدین، بہن، بھائیوں سمیت ہر شخص کو اپنا دشمن بنالیا۔ لیکن پائے استقلال میں ذرّہ برابر بھی جنبش نہ آئی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی اسلام کی راہ میں بیش بہا قربانیوں کے سبب نبی محترم ﷺ نے انہیں نجاشی کے ذریعے نکاح کا پیغام بھیجا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی عادل حکمران تھا اور حضور اکرم ﷺ کے مدینہ ہجرت سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ماموں زاد حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ شام کے وقت نجاشی نے اپنے محل میں موجود عام افراد کو مدعو کیا جن میں حضرت جعفر بن ابی طالب تھے اور نکاح کا خطبہ پڑھا۔ نکاح کے بعد نجاشی نے مہر کے 400 دینار حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے۔ نکاح کے بعد جب مجمع منتشر ہونے لگا تو نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھے رہو، اس لیے کہ انبیاء کی سنت ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو شادی پر کھانا کھلایا جاتا ہے، لہٰذا تمام حاضرین مجلس کو

کھانا کھلا کر رخصت کیا گیا۔ نکاح کے وقت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر 35 برس تھی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے 44 ہجری میں اپنے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔اس وقت آپ کی عمر 74 برس تھی۔ کچھ کتب میں 73 اور 72 برس بھی درج ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی تدفین کے بارے میں مورخین کی مختلف آراء ہیں۔ سیر الصحابیات کی روایت ہے کہ آپ کی قبر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک کونا کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا جس میں تحریر تھا کہ یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے چنانچہ اس کتبے کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا۔''ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کی قبر مدینہ منورہ جنت البقیع میں ہے (تاریخ الخلفاء) ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی اللہ کی راہ میں جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔ آپؓ جرأت واستقلال، صبر واستقامت، ایثار وقربانی، عفت وحیا کا بہترین نمونہ تھیں۔ متبع شریعت تھیں، خداترسی، دین داری، سخاوت، فیاضی، پاکیزگی اور تقویٰ میں بہت آگے تھیں۔ عرب کے رئیسوں اور سرداروں کی چشم وچراغ، شاہانہ زندگی گزارنے والی اس بچی نے صرف 18 سال کی عمر میں اپنے لیے کانٹوں بھری سیج کا انتخاب کر کے امت مسلمہ کی تمام خواتین کو یہ پیغام دے دیا کہ توکل علیٰ اللہ اور راہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنے ہی میں دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔ عورت کو مختلف تہذیبوں میں مختلف انداز اور مختلف نگاہ سے دیکھا اور پرکھا گیا۔ مشرق میں عورت کو دامن کا داغ سمجھا جاتا ہے۔ توروما اسے گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے۔ یونان اسے شیطان کہتا ہے۔ تورات اسے لعنت ابدی کا مستحق قرار دیتی ہے۔ کلیسا

اسے باغ انسانیت کا کانٹا تصور کرتا ہے۔یورپ اسے تذلیل کا نشان سمجھ کر نائٹ کلبز کی ملکہ قرار دیتا ہے، لیکن اسلام واحد مذہب ہے کہ جس نے عورت کو ماں کا درجہ دیا تو اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی، بیٹی کا درجہ دیا تو عزت و حرمت کا انمول نگینہ قرار دیا، بیوی کا درجہ دیا تو گھر کی مالکن بنادیا، بہو کا درجہ دیا تو مرد کی عزت کا محافظ بنادیا، لیکن جب امتِ مسلمہ نے اپنے پیمانے بدلے تو پھر ذلت ورسوائی مقدر بن گئی۔پوری امت تباہی و بربادی کے اندھیری غاروں میں جا گری۔وہ بچے جو قوم کے سپوت تھے، دشمنوں کے ہاتھوں کھلونا بن گئے۔ کبھی سوچا! کیوں؟ کبھی غور کیا، ایسا کیوں ہوا؟ ماں نے عظیم سپوتوں کو جنم دینا چھوڑ دیا۔کیوں؟قدریں بدل گئیں گھر کے مکینوں کے درمیان خلیجیں بڑھ گئیں، فضامکدر ہوئی، پیار ومحبت کا معیار بدلا، گھر بڑوں کے لیے سرائے، چھوٹوں کے لیے ہاسٹل بن گیا۔ پھر جس گھر سے محبتیں ختم ہو جائیں وہ ویرانہ ہی بن جاتا ہے۔رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، اس کے اجنبی مکین جو کبھی اپنے تھے، غیر بن جاتے ہیں۔خدارا! دوبارہ سے اپنے گھروں کو خوشیوں کا گہوارہ بنائیں۔ نقل اغیار تو بہت کرلی، اب امت کی ماؤں کی نقل کریں، ان کی حیات قدسیہ کا مطالعہ کریں۔ان کا پیغام تو عورت و مرد دونوں کے لیے ہے۔امہات المومنینؓ کے روش کے پھول ہی اس امت کی تقدیر بدلنے کا باعث بنیں گے۔امت کی یہ مائیں، اسلامی معاشرے میں ماں کی قدر واہمیت سے بہ خوبی واقف تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ ”اسے ایک باشعور ماں ملنی چاہیے۔“ماں، اسلامی قدروں کی امین ہے۔ماں، سراپا محبت و سراپا پیار ہے۔اس کی

عظمت کو فرشتے سلام کرتے ہیں۔ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ماں، دودھ کے ہر قطرے کے ساتھ توحید کا نقش بچے کے دل میں بٹھا سکتی ہے۔ مسلمان معاشرے کی باشعو رماں وہی ہے جو احکامات الٰہی سے واقف بھی ہو اور اس پر عمل پیرا بھی۔اسلام نے بچے کی تربیت کی ذمہ داری ماں اور باپ دونوں پر ڈالی ہے۔آج کے اس پر آشوب دور میں مکمل شرعی تعلیمات کا احاطہ ، پھر اس پر عمل ، یقینا نہایت مشکل ہے، لیکن اگر ہم امہات المومنینؓ کے اسوۂ حسنہ کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں تو کم وقت میں نہایت آسانی کے ساتھ زندگی کے ہر ہر پہلو پر عمل کرنے کے کئی بہترین نمونے ہمارے سامنے ہوں گے۔ ہمیں امہات المومنینؓ کے اسوہ میں وہ گوہر نایاب ملیں گے جو ایک مضبوط خاندانی بنیاد کی اساس ہیں اور جن پر عمل کر کے ہم اپنی گھریلو زندگیوں کو نہایت خوش گوار بنا سکتے ہیں اور جس کا اثر یقینی طور پر اس خوب صورت ماحول میں پلنے والے بچوں پر بھی ہو گا اور پھر بچے وہی بنیں گے، جو ماں بنانا چاہے گی۔

آیئے، امت کی ان ماؤں کی حیات طیبہ میں سے ان چند زرّیں اصولوں کو اپنی زندگیوں میں نافذ کر لیں۔

دسویں زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

خانوادۂ ہارون علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام کی بیٹی کاشانۂ حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

خیبر فتح ہو چکا ہے، خیبر کے رئیس اعظم قبیلہ بنو نضیر کے سردار اور یہودیوں کے مذہبی عالم حیی بن اخطب کی خوب رو صاحبزادی صفیہ بھی قیدی عورتوں میں شامل تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے قریب "وادی صہباء" میں اپنے خیمے میں تشریف فرما ہیں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت دحیہ بن خلفیہ کلبی رضی اللہ عنہ شرف باریابی کے طلب گار ہیں اجازت ملتی ہے اندر تشریف لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں "اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے قیدی عورتوں میں سے ایک کنیز عنایت فرما دیجئے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ہاں جاؤ لے جاؤ، اجازت ملنے پر وہ جاتے ہیں اور حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو منتخب کر لیتے ہیں ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ چند صحابہؓ تشریف لاتے ہیں اور کہتے ہیں "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے بنی نضیر اور بنی قریظہ کے نور نظر لخت جگر صفیہ رضی اللہ عنہا کو دحیہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایانِ شان ہے" نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں قبائل کے یہودیوں اور گرد و پیش کے قبائل میں اثر ورسوخ سے باخوبی واقف ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں میں اللہ کی رضا شامل ہوتی ہے اور وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: دحیہ بن کلبی رضی اللہ عنہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر لاؤ۔ دونوں حاضر خدمت ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دیکھ کر فرماتے ہیں: دحیہ تم کوئی اور کنیز لے لو

پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہتے ہیں ہم نے تمہیں آزاد کیا اگر تم مسلمان ہو جاتی ہو تو ہم تم سے نکاح کرنے کے لیے تیار ہیں ورنہ تم اپنے قبیلے میں واپس جا سکتی ہو۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اس اچانک فیصلے پر حیرت زدہ ہو گئیں قفس میں قید ایک پرندے کے پنجرے کا دروازہ کھلا تھا مالک بہ خوشی آزادی کی اجازت دے رہا تھا خوشی کے آنسو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے چھلک کر گالوں کو تر کر گئے۔ یوں تو ان کی عمر صرف 17 سال تھی لیکن عقل و شعور فہم و فراست دانش و حکمت اور بر وقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت ورثہ میں ملی تھی مستقبل کے حالات و معاملات کا ادراک رکھتی تھیں عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ مسلمانوں کے سر براہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینے کے حاکم مجھے اپنی کنیز کا درجہ عنایت فرمائیں میں اس قابل تو نہیں لیکن میں حاضر ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مسلمان کر کے نکاح کرتے ہیں اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے بلند و اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو جاتی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق مہر کتنا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کی آزادی ہی ان کا حق مہر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولیمہ میں گوشت اور روٹی کے بجائے کھجور گھی پنیر اور ستو تھا جو صحابہؓ ساتھ لے کر آئے تھے۔ خیبر سے مدینے کے درمیان راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قیام فرمایا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چہرے پر ہرا نشان دیکھا دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ کہنے لگیں "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے خیبر آنے سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ٹوٹ کر میری آغوش میں آ گرا ہے باخدا مجھے آپ کے

آنے کا کوئی تصور بھی نہ تھا لیکن میں نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے میرے چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا: یہ بادشاہ جو مدینے میں ہے تم اس کی آرزو کر رہی ہو۔''ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے نتیجے میں مسلمانوں کے معاشی سیاسی اور معاشرتی حالات و معمولات میں بہت اہم پیش رفت ہوئی۔یہودی سرداروں اور مذہبی رہنماؤں کی ایک بیٹی مسلمانوں کے سربراہ مدینے کے بادشاہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھی اس نسبت سے یہودی قبائل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہی عزت و احترام دینے لگے جو ایک داماد کو دی جاتی ہے۔جس طرح ان کی دشمنی اور مخالفت کا وہ دور جو نکاح سے پہلے تھا کسی حد تک کم ہو گیا لہذا اس کے بعد یہودی قبائل کبھی مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ میں نہیں آئے اور یہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حکمت تھی جس کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نکاح فرمایا تھا۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زینب تھا، زرقانی کی روایات کے مطابق چونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جنگ خیبر میں قید ہو کر آئی تھیں اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے لیے منتخب کر لیا تھا عرب میں مال غنیمت کا وہ حصہ جو امیر لشکر اپنے لیے منتخب کر لے اسے صفی یا صفیہ کہتے ہیں اسی لیے آپ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔آپ کے والد کا نام حیی بن اخطب تھا جو مشہور یہودی قبیلے بنو نضیر کے سردار اور مذہبی رہنما تھے۔ان کا تعلق حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھا چونکہ نبی کی اولاد میں سے تھے لہذا اس تعلق سے بھی یہودیوں میں بہت محترم تھے، والدہ کا نام ضرہ بنت سحوال تھا جو رئیس بنو قریظہ کی بیٹی تھیں آپ نجیب الطرفین ،اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں غرض یہ کہ آس پاس کی تمام یہودی آبادیوں اور بنی

اسرائیل کے قبائل میں آپ کے والدین کو بلند مرتبہ حاصل تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مستکم القرظی سے ہوا لیکن جلد ہی طلاق ہو گئی پھر دوسرا نکاح عرب کے رئیس اور مشہور تاجر ابی الحقیق کے بیٹے کنانہ سے ہوا۔ کنانہ خود بھی سردار تھا اور خیبر کے سب سے مضبوط قلعے قموص کا حاکم تھا شادی کو چند ہی دن ہوئے تھے کہ خیبر کا معرکہ پیش آیا جس میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے تمام افراد مارے گئے ان کا شوہر کنانہ بھی مسلمانوں سے بد عہدی کے جرم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دیگر خواتین سمیت قیدی بن گئیں۔ یہودی قبائل عرصہ دراز سے حجاز کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے مدینے کے شمال میں تقریباً 100 میل کے فاصلے پر ''خیبر'' کا سرسبز و شاداب علاقہ ان کی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا یہ ایک بڑا شہر تھا جسے قدرت نے سرسبز و حسین خوشبودار پھولوں اور قسم قسم کے لذیز پھلوں کے درختوں سے نوازا تھا یہاں کی خوش نما خوش رنگ وادیوں میں بہتے نیلے شفاف پانی کے چشمے اور حسین قدرتی نظارے اس خطے کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیتے تھے اس علاقے میں یہودی سب سے پہلے اس وقت آئے جب انہیں فلسطین سے نکالا گیا خیبر کے علاوہ ان کی مشہور آبادیاں فدک وادی القریٰ اور تیما بھی تھیں لیکن ان کا سب سے بڑا مرکز خیبر ہی تھا مدینہ منورہ سے نکالے جانے کے بعد بنو نضیر بھی یہیں آباد ہو گئے تھے۔ خیبر مسلمانوں کے خلاف شازشوں کا گڑھ بن چکا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متواتر اس بات کی اطلاع مل رہی تھی کہ یہودی قبائل کے دونوں سردار مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں لہذا صلح حدیبیہ سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں چند روز

قیام فرمایااور پھر محرم 7ہجری کو خیبر روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے خیبر سے چند میل دور وادی میں قیام فرمایا مسلمانوں کے بڑے لشکر کی اچانک آمد پر یہودی بدحواس ہو کر قلعہ بند ہو گئے لیکن مسلمانوں نے تمام قلعے فتح کر لیے صرف ایک قلعہ قموص رہ گیا جس کا حاکم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا شوہر کنانہ تھا۔ یہودیوں کو اس قلعے پر بڑا ناز تھا بیس دن تک محاصرہ جاری رہنے کے باوجود مسلمان اس قلعے کو فتح نہ کر سکے بالآخر حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو علم دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ سے اپنی کامیابی کی خصوصی دعا فرمائی اور قلعے پر حملہ کر دیا کچھ مزاحمت کے بعد قلعہ فتح ہو گیا اس جنگ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر، والد، بھائیوں اور خاندان کے دیگر افراد سمیت 93 یہودی مارے گئے جبکہ تقریباً 15 مسلمان شہید ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا شروع کے چند حضرت حارث بن نعمان انصاری کے گھر مہمان رہیں۔ فتح خیبر اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پر مدینے کا ہر گھر خوشی و مسرت سے سرشار تھا ازواجِ مطہراتؓ اور مدینے کی خواتین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آتیں اور ان کے حسن و جمال کی تعریف کرتیں اس موقعہ پر آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سونے کی بالیاں تحفے میں دیں اور دیگر ازواج کو بھی تحفے تحائف دیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مل کر آئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ''عائشہ تم نے صفیہؓ کو کیسا پایا؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا عرض کرنے لگیں ''ایک یہودیہ کو دیکھا ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''عائشہؓ ایسا تو نہ کہو وہ مسلمان ہو گئی ہے اس کا اسلام اچھا اور بہتر ہے۔'' نبی محترم ﷺ کو نہ صرف آپ رضی اللہ عنہا سے محبت تھی بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی بھی فرماتے تھے۔ حضور

اکرم ﷺ کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کے گھر کے تمام افراد جنگ میں مارے گئے ہیں ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران ازواج مطہراتؓ ساتھ تھیں۔ اتفاق سے راستے میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس زائد اونٹ موجود تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "تم ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو" انہوں نے عرض کیا" یارسول اللہ ﷺ کیا اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟"اس بات پر حضور اکرم ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہیں گئے۔(زرقانی) پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا قصور معاف کروایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "حضور اکرم ﷺ کی ناراضگی نے مجھے مایوس کر دیا تھا اور میں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ آئندہ کبھی ایسی بات زبان پر نہ لاؤں گی"ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نہایت حساس طبیعت کی مالک تھیں اور نبی محترم ﷺ کو اس بات کا احساس رہتا تھا۔ روایت میں ہے کہ سفر حج کے دوران ایک بار آپ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا اور آپ رضی اللہ عنہا سب سے پیچھے رہ گئیں حضور ﷺ وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں آپ ﷺ نے اپنی چادر سے ان کے اشک پونچھے، آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ روتی جاتی تھیں(زرقانی) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی محترم ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں جب آپ ﷺ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے فرمایا"اے کاش آپ ﷺ کی بیماری مجھے ہو جاتی" تو ازواج مطہرات نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: یہ سچ کہہ رہی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اس میں کوئی بناوٹ نہیں ہے (زرقانی) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ کی شکایت کی کہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہفتے کے دن کا احترام کرتی ہیں اور اپنے یہودی رشتے داروں کی مدد کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کی تحقیق کے لیے خود آپ کے پاس تشریف لے گئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''جب سے مجھے اللہ نے جمعہ عطا فرمایا ہے مجھے سبت (ہفتے کے دن) کی قدر نہیں رہی ہاں یہودیوں میں میرے قرابت دار ہیں اور مجھے رشتے داروں سے صلہ رحمی کا خیال رکھنا پڑتا ہے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس صاف گوئی پر خوش ہوئے اس کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ ''تمہیں امیر المومنینؓ کے پاس میری شکایت کرنے کے لیے کس نے آمادہ کیا؟'' اس نے کہا کہ ''مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا'' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اچھا جاؤ! میں نے تمہیں آزاد کیا۔ (الاصابہ) محدثین نے ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثوں کی تعداد 10 (دس) بتائی ہے۔ آپ کا گھر علم کا مرکز تھا خواتین کثرت سے آپ کے پاس مسائل پوچھنے آیا کرتی تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان 50ہجری میں 60 سال کی عمر میں ہوا، آپ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک جنت البقیع میں ہے، آپ رضی اللہ عنہا کی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رفاقت تقریباً چار سال رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت آپ کی عمر 17 سال اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک 59 سال تھی وفات کے وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ترکے میں ایک لاکھ کی رقم تھی جس میں سے تیسرا حصہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے یہودی بھانجے کو دینے کی وصیت کی مذہبی اختلاف کے باعث لوگوں نے اس وصیت پر عمل کرنے میں پس و پیش کیا لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو انہوں نے

یہ پیغام بھیجا: ''لوگو اللہ سے ڈرو اور ہر صورت میں صفیہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کو پورا کرو'' چنانچہ ان کے ارشاد کے مطابق فوری طور پر وصیت پر عمل کیا گیا (طبقات ابن سعد)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حسین و جمیل شریف النفس متحمل مزاج ، باوقار ، بردبار، ذہین، خاموش طبع ، حساس ،اعلیٰ ظرف اور فیاض خاتون تھیں۔یوں تو سیرت نگاروں نے آپ رضی اللہ عنہا کی حیات پاک کے بہت سے ایمان افروز واقعات تحریر کیے ہیں لیکن ایک بہت اہم پہلو جو آپ کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے وہ آپ کی صلہ رحمی اور فیاضی ہے آپ اپنے یہودی قرابت داروں کے ساتھ علی الاعلان مسلسل تعلق رکھتے ہوئے ان کے ساتھ صلہ رحمی فرماتی اور مالی تعاون فرماتیں اس طرح انہوں نے امت مسلمہ کو یہ واضح پیغام دیا کہ مستحق عزیز واقارب ،دوست احباب، ہمسایہ اور محرومی کے شکار افراد (خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو) ہماری خصوصی شفقت اور توجہ کے مستحق ہیں اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کا تعلق رکھنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلمات کا حصہ ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اسوۂ مبارک کا یہ پہلو آج کے اس پر آشوب اور افراتفری کے دور میں ہم سب کو آئینہ دکھانے کے لیے کافی ہے۔ آیئے ہم اس بات پر غور کریں کہ ہم اپنے غریب قرابت داروں، پڑوسیوں،دوست احباب کے ساتھ کتنا تعلق و تعاون کرتے ہیں؟ یا انہیں نظر انداز کر کے ان کے اندر شدید احساسِ کمتری پیدا کرنے کا باعث بن کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔

گیارہویں زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

جو خشیتِ الٰہی اور صلہ رحمی کے جذبے سے مالامال تھیں

وہ ایک حسین اور خوشگوار صبح تھی کہ جب سورج کی سنہری کرنیں مکہ کے بلند و بالا پہاڑرں سے نمودار ہوئیں، تو انہوں نے ایک حیران کن منظر دیکھا۔ مکہ کے باسی، اپنے گھروں، چھتوں، بازاروں پہاڑوں اور راستوں پر کھڑے ہیں۔ ان کے چہروں پر تجسس ہے اور حیرانی بھی، تفکر بھی ہے اور کچھ کچھ پریشانی بھی لیکن ان کے دل میں مسرت کی ایک کلی بھی پھول بننے کی آرزومند ہے۔ یہ آج اس امین و صادق کے منتظر ہیں کہ جنہیں آج سے 7 برس قبل اسی شہر کے مکینوں کے ظلم و ستم، وحشت و بربریت نے رات کی تاریکیوں میں بے بسی کے ساتھ ہجرت پر مجبور کر دیا تھا، لیکن آج وہی مظلوم شخصیت، تاج دار مدینہ کے باعزت روپ میں شہنشاہوں کی طرح مکہ میں جلوہ افروز ہو رہی ہے اور اس دور میں ان کے خون کے پیاسے، آج بے بسی کی تصویر بنے ان کا خاموشی سے استقبال کرنے پر مجبور ہیں۔ سب کی نگاہیں مدینے سے آنے والے راستے پر مرکوز ہیں۔ یہ اہل مکہ کبھی کبھی کعبے کے شمال میں موجود، جبل ابو قیعقان پر بھی خوف زدہ نگاہیں ڈال لیتے ہیں کہ جہاں ظلم و بربریت کے پروردہ، مکہ کے تمام رئیس و سردار، اپنے اوباش حواریوں کے ساتھ کفر و شرک کی غلاظتوں کے طوق گردنوں میں ڈالے اپنے مکروہ گھناؤنے اور بدصورت چہروں پر تکبر و غرور، رعونت و نفرت اور تمسخر کی سیاہی لئے حرم میں رکھے

پتھر کے اپاہج خداؤں سے کسی معجزے کے طلب گار ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی، کینہ اور بغض آج بھی مشرکین کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا تفکر و گھبراہٹ بڑھتی جارہی ہے۔ ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ اچانک ''اللہ اکبر'' کے فلک شگاف نعروں نے مکہ کے دَر و دیوار ہلا دیئے اور جب تکبیر کی پر جلال صداؤں سے قیعقان پہاڑ لرزا، تو ان مشرکین کے دل بھی دہل گئے۔ خوف کی لہر ان کے چہروں پر آکر گزر گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چمکتی تلواریں انہیں اپنی گردنوں پر محسوس ہونے لگیں اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ آمنہ کے لعل، عبداللہ کے یتیم، عبدالمطلب کے پوتے، ابو طالبؓ حمزہ رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ کے بھتیجے، فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بابا، حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کے نانا یتیموں کے والی، غریبوں کے مولیٰ، اللہ کے محبوب، امام الانبیاء، سید المرسلین، رحمتہ للعالین، خاتم النبیین، والیِ عرب و عجم، سرکارِ دو عالم، فخرِ موجودات، باعثِ تخلیق کائنات، شافعِ محشر، ساقی کوثر، احمدِ مجتبیٰ ﷺ اپنی اونٹنی ''قصویٰ'' پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جلو میں شان بے نیازی سے اپنے رب کی تسبیح پڑھتے ہوئے نمودار ہوئے۔ پورے مکہ میں سکوت طاری ہو گیا۔ ہر شخص دَم بہ خود تھا''لبیک اللّٰھم لبیک'' کے ایمان افروز تلبیہ نے فضا میں پاکیزہ رنگ و نور کی کرنیں بکھیر دیں۔ حرم پر اُڑنے والی ابابیلوں نے آگے بڑھ کر اپنی نغمگی چہچہاؤں کے ساتھ اللہ کے ان مہمانوں کا استقبال کیا۔ آسمانوں پر بادلوں نے نبی کریم ﷺ پر اَبر کا سایہ کر دیا۔ سورج کی کرنوں نے اپنی تپش کو ختم کر دیا۔ آسمانوں پر فرشتے اور ملائکہ اس رُوح پرور منظر کو دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ پر درود و سلام کے تحفے نچھاور کر رہے تھے،

لیکن پہاڑ پر بیٹھے مشرک سرداروں اور ان کے اوباش حواریوں کے خوف نے ان کے ارمانوں کو پورا نہ ہونے دیا۔ نبی اکرم ﷺ حرم میں داخل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کو صحابہؓ نے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کیے ہوئے آپ ﷺ کے آگے چل رہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دو ہزار صحابہ کے علاوہ خواتین اور بچے بھی ہیں، جب کہ قربانی کے لیے 60 اونٹ بھی ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ نے ابھی عمرہ ادا کیا ہی تھا کہ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں "یارسول اللہ ﷺ میری اہلیہ اور آپ کی چچی ام الفضل کی حقیقی بہن میمونہ بیوہ ہو چکی ہیں اور اب بے سہارا ہیں، اگر آپ ﷺ ان سے نکاح کر لیں تو ان کی پریشانی دُور ہو جائے گی۔ اللہ نے اپنے محبوب کو پہلے ہی سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ کو مکہ میں صرف تین دن قیام کرنا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے چچا کی بات کو مقدم رکھتے ہوئے حالت احرام ہی میں شوال 7 ہجری کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا۔ جن کا حق مہر 500 درہم تھا۔ نکاح کے بعد آپ اپنے گھر پر ہی مقیم رہیں۔ معاہدۂ حدیبیہ کی رُو سے آپ کو مکہ میں تین دن قیام فرمانا تھا۔ چوتھے دن صبح ہوئی تو مشرکین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ اپنے صاحب سے کہو کہ مدت پوری ہو چکی ہے اب یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل آئے۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ سے 10 میل دُور مدینے کے راستے میں مقام "سرف" پر قیام فرمایا۔ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ آپ کی

زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مقام سرف پہنچے۔اس جگہ پر آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعوت ولیمہ کا انتظام کیا۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری نکاح اور ام لمومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ محترمہ تھیں۔ پچھلے سال 6 ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی تھی تو اس کی شق دو میں تحریر تھا کہ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں۔تاہم آئندہ سال آئیں اور تین دن مکہ میں رہ کر طواف وزیارت کرلیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ صرف تلواریں لے کر مکہ آئیں، جو میانوں میں ہوں اور میانیں تھیلوں میں ہوں۔ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قریش کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب، میمونہ بنت حارث بن حزن بجیر بن یزم بن رویہ بن عبداللہ بن طلال ہے۔آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنتِ عوف بن زہیر بن حارث ہیں، جو قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتی ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا لیکن کسی وجہ سے وفات پائی اور عدت کے بعد 7 ہجری میں تیسرا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف خوش قسمت خاتون تھیں جنہیں جلیل القدر داماد ملے۔ایک داماد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، جن سے حضرت میمویہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔دوسرے داماد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے جن سے ام فضل کا نکاح ہوا۔ ہند بنت عوف، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث سے پہلے عمیس کے نکاح میں تھیں۔ان سے دو بٹیاں ہوئیں۔ان میں سے ایک حضرت اسماء بنتِ عمیس کا نکاح حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں

آئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں جن سے حضرت عون بن علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ابو رہم سے تین بچے پیدا ہوئے، عطاء، سلیمان اور عبد المالک جو فقہاء میں مشہور تھے۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نہایت بلند مرتبہ، محدثہ، فقیہہ، فاضلہ، مفسرِ قرآن اور معلمہ تھیں۔ اجتہاد و فکر کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی تھیں۔ مسائل پر گہری نظر تھی اور شریعتِ مطہرہ کے مطابق عوام الناس کی رہنمائی فرماتی تھیں۔ ایک مرتبہ مدینے کی ایک عورت بیمار پڑ گئی۔ اس نے منت مانی کہ اگر میں صحت مند ہو گئی تو بیت المقدس جا کر نماز پڑھوں گی۔ چند دن بعد اللہ نے اسے صحت یابی عطا فرمائی۔ منت پوری کرنے کے لیے اس نے بیت المقدس سفر کی تیاری شروع کر دی۔ رُخصت ہونے سے پہلے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''اتنی دُور کیوں جاتی ہو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد سے ہزار گنا زیادہ ہے، اس لیے تم یہیں نماز پڑھ لو۔'' (مسند) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے بہت بڑے، عالم، محدث اور مفسر تھے، لیکن ایک مرتبہ ایک غلط فہمی پر ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ٹوکا اور ان کی تصحیح فرمائی۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خالہ سے ملنے تشریف لائے تو بال اور لباس کچھ پراگندہ اور بے ترتیب لگے، جب کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نہایت خوش اور خوش ذوق تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا ''بیٹا! کیا بات ہے؟ یہ تم نے کیا حالت بنائی ہوئی ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''خالہ! میری بیوی میرے سر میں تیل لگاتی، کنگھی کرتی ہے، آج کل وہ مخصوص ایام میں ہے، اس لیے اس سے یہ خدمت سرانجام

دلوانا مناسب نہیں سمجھتا۔" آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "پیارے بیٹے! ان ایام میں بھی عورت کے ہاتھ تو ناپاک نہیں ہوتے، ہم توان ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے سوجایا کرتے تھے۔" (مسند) حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایک کنیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دُور دُور بچھے ہوئے ہیں۔ اسے خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہوگئی ہے لیکن جب اس نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (بیوی کے ایام کے زمانے میں) اپنا بستر الگ کر لیتے ہیں، تو کنیز نے آکر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو وہ بولیں "ان سے جاکر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے سے اس قدر اعراض کیوں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دنوں بھی برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرمایا کرتے تھے۔" (مسند) ان دو اہم واقعات سے یہ بات واضح ہوئی کہ دین اور شرعی مسائل سمجھنے اور بیان کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ یا شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ علماء فرماتے ہیں کہ علم کے حصول میں دو چیزیں زہر قاتل ہیں، ایک کبر، کہ اس کی وجہ سے اہل علم سے سوال پوچھنے میں عار محسوس ہو، اور دوسرے شرم کہ سوال پوچھنے پر لوگ کیا کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ جرأت اور توفیق عطا فرمائے کہ ہم دینی اور شرعی مسائل میں زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کر کے اپنے روزمرہ معاملات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق چلائیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فیاضی و سخاوت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ غریبوں، حاجت مندوں کی مدد کے لیے ہر وقت کوشاں رہتیں، یہاں تک کہ اگر ان کے پاس کچھ نہ ہوتا اور ضرورت مند آجاتے تو

انہیں خالی ہاتھ نہ لوٹاتیں، بلکہ قرض لے کر ان کی حاجات پوری فرمایا کرتیں۔ ایک مرتبہ زیادہ لے لیا تو کسی نے پوچھا ''قرض کیسے ادا کریں گی؟'' فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے، اللہ اس کا قرض خود ادا کر دیتا ہے۔ (مسند) آپ اسلامی احکامات کی سختی سے پابندی کرتیں اور اس سلسلے میں کوئی کوتاہی یا نرمی کبھی برداشت نہیں کرتی تھیں۔ تمام امہات المومنینؓ بہت بلند و بالا مرتبے پر فائز تھیں۔ خلوص و پیار، ایثار قربانی، عفو و درگزر، محبت و شفقت کا خزینہ تھیں، اس کے باوجود نسوانی جذبات کے تحت کبھی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات میں کھنچاؤ بھی آجاتا تھا، لیکن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اخلاقِ حمیدہ اتنے اعلیٰ وارفع تھے کہ آپؓ کے تعلقات تمام ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ نہایت عمدہ اور محبت والے تھے۔ ہر ایک سے مل کر خوش ہوتیں، ان کے ساتھ محبت و شفقت سے باتیں کرتیں اور ان کے لیے کلمہ خیر کہتیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا ''ہمارے درمیان میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ خشیت الٰہی سے مالا مال اور صلہ رحمی کو ملحوظ رکھنے والی تھیں۔'' حضرت میمونہ سے مروی احادیث مبارکہ کی تعداد بعض کتب میں 76 اور بعض میں 46 تحریر ہیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ 7 ہجری میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکاح کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ مقام اسرف پر ہوا اور 51 ہجری میں 80 سال کی عمر میں اسی مقام پر آپ کی وفات اور اسی جگہ تدفین ہوئی۔ جب جنازہ اُٹھایا گیا تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، جنازے کو زیادہ حرکت نہ دو، باادب اور آہستہ آہستہ لے کر چلو۔'' (صحیح بخاری) حضرت عبد اللہ بن

عباس رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور بھانجے بھتیجوں نے قبر میں اُتارااور اس موقعہ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ کی ایمان افروز صفات بیان کیں۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ عورت ہمیشہ سے مرد کے ظلم و بربیت کا شکار رہی ہے۔ جسمانی اعتبار سے مرد سے کمزور ہونے کی بناپراس کی شخصیت کو ہمیشہ پامال کیا جاتارہا کہیں اسے خادمہ و باندی بنا کر رکھا گیا، تو کہیں عیش و عشرت کی غرض سے اس کی خرید و فروخت ہوتی رہی۔ ہر دور میں اس کے ساتھ حیوانوں کا سا سلوک ہوتا رہا۔اس کی تذلیل کی جاتی رہی، زمانہ جاہلیت میں اسے منحوس سمجھ کر زندہ درگور کیا جاتا رہا۔یورپ اور مغربی ممالک اسے ٹشو پیپر سمجھ کر استعمال کرتے رہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسلام کا سورج طلوع ہوا، رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا نور بن کر جلوہ افروز ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو ذلت و پستی کے گڑھوں سے نکال کر عزت و تکریم کی بلندیوں تک پہنچایا۔ اللہ نے حقوق نسواں کے قوانین بنا کر مرد کو اس کا پابند بنایا۔ سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا ''عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کے ساتھ زندگی گزارو۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''شوہروں کو بیویوں کے حق میں سراپا محبت و شفقت ہونا چاہیے۔اہل و عیال کے لیے نرم خو ہو، جائز امور میں ان کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے درجے میں عورت اور مرد کو برابر رکھا ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا'' بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کو آئینے و آبگینے قرار دیا۔ حجتہ ابوداع کے موقعہ پر اور یہاں تک کہ مرض الموت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کی تلقین کی۔ آج کے اس پرآشوب دَور میں ایک بار پھر جاہلیت کے دور ہی کی طرح عورت کی تذلیل

اور بے حرمتی کے نت نئے طریقے ایجاد کیے جارہے ہیں ، نائٹ کلبز سے لے کر ریسٹورنٹس تک، میخانوں سے لے کر اشتہارات تک ان کی عزتِ نفس، حرمت، پاکیزگی، یہاں تک کہ ہر چیز داؤ پر لگادی گئی ہے۔ سو، آج ضرورت اس بات کی ہیں کہ امہات المومنینؓ کی حیات طیبہ کو سامنے رکھتے ہوئے تبدیلی کی ابتدا اپنے گھر سے کی جائے۔ نبی اکرم ﷺ اور ان کی ازواجِ مطہراتؓ کی حیات قدسیہ کا بہ غور مطالعہ کرنے ان ہر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ ان امہات کے اسوہ کی نورانی کرنیں ہمارے گھر کو معطر و منور کرنے کا باعث بنیں۔ امہات المومنینؓ کی سیرت کے بحرِ بے کراں میں مرد و خواتین کے لیے عملی زندگی کے بیش بہا خزینے پوشیدہ ہیں، جن کی تقلید سے گھروں کو جنت کا نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔

ماں! جس کے قدموں تلے جنت ہے، ماں اللہ کا احسان ہے اہل زمین پر

اے ماں! تیری عظمت کو سلام

ماں وہ عظیم ہستی ہے کہ جس کا دنیا میں کوئی متبادل ہے، اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے لیے ایک رہبر ورہنما، کامیابی کا زینہ ہی نہیں، نیک خواہشات، دُعاؤں کا سرچشمہ بھی ہے۔ کس قدر سچ کہا گیا ہے کہ ''جس کے سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا، تو سمجھ کہ اُس کا سب کچھ اجڑ گیا۔'' گزشتہ ہفتے دُنیا بھر میں ''ماؤں کا عالمی دن'' منایا گیا، جس کا مقصد عوام کو ماں جیسے عظیم رشتے کی ہیبت کے بارے میں آگاہی دینا تھا۔ اگر تاریخی حوالے سے بات کی جائے تو ''مدرڈے'' دراصل ایک امریکی خاتون اینا جاروس کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس دن کو ایک بامعنی دن کے طور پر سمجھا اور منایا جائے، آخر کار اُس کی یہ کوششیں رنگ لائیں اور 8 مئی 1914ء کو امریکا کے صدر ورڈن ولسن نے ہر سال مئی کے دوسرے اتوار کو سرکاری طور پر ''مدرڈے'' منانے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اب یہ دن منانے کی روایت صرف مغربی ممالک ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ بیش تر مسلم ممالک میں بھی اس کو پورے اہتمام کے ساتھ منایا جارہا ہے اور پھر نہ صرف اس دن بلکہ اُس کے بعد بھی ہفتہ بھر اسی مناسبت سے مختلف تقاریب منعقد کی جاتی رہتی ہیں، جن میں بچے بڑے سب اپنے اپنے انداز میں ماں سے محبت و عقیدت کا بھرپور اظہار کرتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ماں کی عظمت و محبت کا سب سے زیادہ قائل تو اسلام ہی ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے ماں کی خدمت اور اس کے احترام پر بہت زور دیا ہے۔ مختلف آیات مبارکہ میں والدین کو اُف تک نہ کہنے کی ہدایت کی گئی ہے جب کہ احادیث

مبارکہ میں بھی ماں سے حسن سلوک اور اُس کے دیگر حقوق کی ادائیگی کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ دراصل ماں ایک خوبصورت احساس اور ایک ایسے جذبے کی عکاسی کرتی ہے جس سے صنف نازک کی تکمیل کا احساس عیاں ہوتا ہے۔ کیا کسی کو اس بات میں ذرہ برابر بھی شک ہو سکتا ہے کہ ماں، وہ واحد رشتہ ہے جو اپنی اولاد سے بے لوث، بے غرض اور بنا کسی لالچ کے محبت کرتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ کوئی اس پر اعتراض اٹھادے، مگر کیا اُس نے کبھی جانوروں کو نہیں دیکھا کہ اُن کی مائیں بھی اپنے بچوں سے کس قدر ٹوٹ کر محبت کرتی ہیں، تو کیا اُنہیں بھی بچوں سے اُن کی کمائی کی حاجت یا کوئی اور غرض ہوتی ہے؟؟ ماں اپنی اولاد کی کردار سازی میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے، کیوں کہ اُس کی آغوش میں حاصل کی گئی تربیت ہی کسی بچے کے مستقبل کا تعین کرتی ہے۔ بہر طور ایک بیٹی، میرے خیال میں تو ماں سے سیکھے اور اولاد کے لیے ہر لمحہ رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہو۔ بلاشبہ، ماں ہی ایک ایسا رشتہ ہے، جس کے سامنے ہونے پر بیٹی اپنی تمام تر مشکلات بھول جاتی ہے۔ کیوں کہ وہ ماں ہی ہے جو اپنی بیٹی کے کردار کی تشکیل میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اُسے زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہی فراہم کرتی ہے اور پھر یہ بھی کہ وہ ماں ہی تو ہے جو اپنی بیٹی کے لیے ہر اُس رشتے میں ڈھل جاتی ہے جس کی اُسے ضرورت ہوتی ہے۔ جب وہ محسوس کرتی ہے کہ اُس کی بیٹی کو ایک دوست کی ضرورت ہے، تو وہ اُس کی بہترین دوست ثابت ہونے کی کوشش کرتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی اولاد کے لیے باپ کا کردار ادا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ میرے خیال میں تو سب سے پہلا اور خوبصورت رشتہ جو ایک ماں، بیٹی میں ہو سکتا ہے وہ ایک بہترین دوست ہی کا ہے،

کیونکہ بیٹی اپنی ماں سے ہر وہ بات شیئر کر سکتی ہے، جسے کسی سے بھی کہنے میں اسے کسی قسم کی کوئی عار محسوس ہو۔ ہمارے اطراف میں اس کی مثالیں بکھری پڑی ہیں کہ اگر خدانخواستہ بچوں کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جائے تو ماں ان کے لیے یہ کردار بھی خود نبھانے لگتی ہے۔ اپنی سب ضروریاتِ زندگی نظرانداز کر کے صرف بچوں کی ضرورت ہی کو زندگی کا محور و مرکز مان لیتی ہے۔ بچوں سے محبت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو گا کہ اکثر مائیں صرف اس لیے دوسری شادی نہیں کرتیں کہ کہیں اُن کے بچے نظرانداز نہ جائیں، حالانکہ اس معاملے میں اُنہیں جو قربانیاں دینا پڑتی ہیں، کچھ اُن ہی کا دل جانتا ہے۔ مائیں تو اکثر بچوں کو باپ بن کر پال لیتی ہیں، لیکن ایسا کم ہی نظر آتا ہے کہ ایک باپ کسی ماں کی کمی کو پورا کر سکے۔ اگر کوئی اپنی پوری عمُر ماں کی خدمت کرنے میں گزار دے، تب بھی وہ اس عظیم ہستی کے کسی ایک احسان کا بھی بدلہ نہیں چکا سکتا۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے گھرانوں میں ماں کو وہ مقام نہیں دیا جا رہا، جن کی وہ حق دار ہیں۔ ادھر ہم اپنی والدہ کے لیے کچھ خاص نہیں کر سکتے، تو کم از کم اُن کے ساتھ شیریں اور پیار بھرے لہجے میں دو بول ہی ادا کر سکتے ہیں خواہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں، ان کے لیے کچھ وقت نکال لینا ناممکن تو نہیں۔ انہیں وقت دیں اور یاد رکھیں کل آپ نے بھی بوڑھا ہونا ہے!!

اسلام میں ''ماں'' کی اطاعت و فرماں برداری ایک دینی و معاشرتی فریضہ ہے، زندگی کا ہر لمحہ اس کی عظمت پر نثار اور خدمت کے لیے وقف ہے

''ماں'' مہر و محبت و ایثار و مروت صبر و رضا اور خلوص و وفا کی ایک روشن مثال ہے۔ یہ ایک ایسا شجر سایہ دار ہے جس کی گھنی چھاؤں کبھی کم نہیں ہوتی اور نہ اس پر خزاں آتی ہے۔ ماں کی گود انسانیت کا سب سے پہلا مکتب ہے، یہ تہذیب و شائستگی کا گہوارہ اور کائنات کا سب سے پر خلوص رشتہ ہے، ماں ہی زندگی کی تاریک راہوں میں روشنی کا مینار ہے، ماں ہی وہ مقدس ہستی ہے جس کے قدموں تلے جنت ہے۔ ''ماں'' خاندانی نظام کی اساس اور اسلامی تہذیب کا بنیادی نشان ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی اور معاشرتی قدروں کی امین اور پر خلوص سچے جذبوں کی آئینہ دار ہے۔

''ماں'' وہ عظیم نام ہے جس کے لیے دنیا مختلف زبانوں اور علمی تہذیبی ورثے اور زبان و ادب میں جو الفاظ تخلیق کیے گیے وہ اس کے بلند مقام کا استعارہ اور ماں سے عقیدت و محبت کا حسین اظہار ہیں جب کہ دین فطرت اور دین رحمت نے ''ماں'' کی عظمت خدمت اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کا جو درس دیا وہ سب سے منفرد اور بے مثال ہے۔ اسلام میں خالق حقیقی رب العالمین کے بعد خالقِ مجازی ماں اور اس کی مامتا کو سب سے عظیم گردانا گیا ہے۔ خالقِ کائنات نے خلوص و وفا اور ایثار و محبت کی اس پیکر کو پوری انسانیت کے لیے رحم و کرم اور انس و محبت کا منبع بنایا ہے۔ یہ ماں کی شفقت اور مامتا کی عظمت اور محبت کا اظہار ہی تھا کہ محسن انسانیت نبی رحمت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر ننھے اور معصوم بچوں کو ماں کا دودھ نہ پلایا جارہا ہوتا، بوڑھے اور عمر رسیدہ افراد

اپنے رب کے حضور عبادت میں جھکے نہ ہوتے اور معصوم جانور میدانوں میں چر نہ رہے ہوتے تو یقیناتم پر سخت عذاب نازل ہوتا۔‘‘ماں کائنات کی سب سے قیمتی متاع اور عظیم سرمایاہے۔اس کی شفقت و محبت اور خلوص و وفا کسی تعریف کا محتاج نہیں۔یہ ایک تاریخ ساز حقیقت ہے کہ ہر مذہب اور ہر تہذیب نے ’’ماں‘‘ کی عظمت کو تسلیم کیا ہے، لیکن فخرِ موجودات سرور کائنات حضرت محمد ﷺ جو مثالی دین اور ابدی ضابطہ حیات لے کر تشریف لائے، اس میں ’’ماں‘‘ کو سب سے زیادہ عظمت دی گئی ہے۔آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ’’جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے‘‘حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااور اس نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! ’’تیری ماں‘‘انہوں نے عرض کیا، پھر کون۔آپ ﷺ نے فرمایا’’تیری ماں‘‘انہوں نے عرض کیا، پھر کون، آپ ﷺ نے فرمایا، ’’تیری ماں‘‘ چوتھی مرتبہ سوال کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا’’تیرے والد‘‘(صحیح بخاری، کتاب الادب)حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا’’اللہ نے یقیناتم پر ماؤں اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیاہے۔‘‘(صحیح بخاری باب حقوق الوالدین)ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ’’میں جنت میں داخل ہواتو وہاں قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سنی، میں نے سوال کیاکہ یہ کون ہے؟ جو قرآن کریم کی تلاوت کر رہاہے؟ فرشتوں نے جواب دیاکہ یہ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ہیں، یہ بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہی حال ہے

احسان کا، یہی حال ہے اس کا (یعنی ماں کی خدمت اور اس سے حسن سلوک کا یہ صلہ ہے)'' حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی خدمت اور ان سے حسن سلوک کے حوالے سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک موقع پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا کہ ''پروردگار جنت میں میرا رفیق کون ہے، میرا پڑوسی کون ہوگا؟'' جواب ملا، ''موسیٰ، وہ ایک قصاب ہے، جو فلاں بستی میں رہتا ہے'' یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام اس قصاب کی تلاش میں نکل پڑے، تاکہ یہ جان سکیں کہ وہ کون سا عمل ہے، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس قصاب کو اتنا بلند اور ممتاز فرمایا ہے کہ اسے ایک نبی کا ہمسایہ بنایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی اور ان کی بات سن کر وہ انہیں اپنے گھر لے آیا۔ بعدازاں موسیٰ علیہ لسلام نے دیکھا کہ اس نے اپنی ضعیف العمر ماں کو انتہائی ادب واحترام سے سہارا دیا، ماں کے منہ کو صاف کیا، اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا، تب اس کی ماں نے اسے دعا دی کہ ''اللہ تجھے جنت میں موسیٰ علیہ السلام کا پڑوسی بنائے۔'' یہ نہ کوئی بہت بڑا عابد وزاہد تھا، نہ عالم، نہ صوفی، نہ غازی، نہ مجاہد تاہم اسے یہ بلند مقام ماں کی خدمت واطاعت اور اس سے حسن سلوک کے صلے میں ملا تھا۔ اسلامی تاریخ میں خدمت اور اس سے حسن سلوک کے حوالے سے ایسے بے شمار نقوش ماں کی عظمت اور اس کے بلند مقام کا پتا دیتے ہیں۔ حقیت یہ ہے کہ ماں کائنات میں انسانیت کی سب سے قیمتی متاع، گنج گراں مایہ اور عظیم سرمایہ ہے۔ اسلام میں اولاد کی پوری زندگی ماں کے تقدس، اس کی عظمت کے اظہار اور خدمت واطاعت کے کسی دن کو مخصوص کرنا اس کی روح کے منافی ہے۔ اسلام میں ہر سال ہر مہینہ ہر دن اور ہر لمحہ

ماں کی خدمت اور اطاعت و فرماں برداری کے لیے وقف ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال ''اسرار خودی'' میں اسلام میں ماں کی عظمت کے حوالے سے اپنی مشہور فارسی نظم میں لکھتے ہیں کہ ''ماں کے منصب اور اس کے حفظ و احترام کا ضامن اسلام ہے۔'' اقبال کی اس نظم کا ترجمہ پیش خدمت ہے: اگر ٹھیک طور پر دیکھو تو ماں کا وجود رحمت ہے، اس بناء پر کہ اسے نبوت سے نسبت ہے اس کی شفقت پیغمبر جیسی ہے جس سے قوموں کی سیرت سازی ہوتی ہے۔'' مقصود کائنات پیغمبر ﷺ نے فرمایا ''ماؤں کے قدموں تلے جنت ہے'' ملت رشتے کی تکریم پر قائم ہے۔ اگر یہ نہیں تو زندگی کا ہر کام خام رہ جاتا ہے ''ممتا'' سے زندگی سر گرم ہے۔ ممتا ہی سے زندگی کے اسرار بے نقاب ہوتے ہیں ہماری ملت کی ندی میں ہر پیچ و تاب ''ماں'' سے ہے۔ اس ندی میں موجیں گرداب اور بلبلے اسی وجود کے باعث ہیں۔ ملت کو ماں کی آغوش سے اگر ایک ایسا مسلمان حاصل ہو جائے جو غیرت مند اور حق پرست ہو تو ہمارا وجود ان رنجوں سے محفوظ ہو جائے۔ اس کی شان کی بدولت ہماری صبح دنیا روشن ہو جائے۔ ''ماں'' کی عظمت اور اس کے خلوص و وفا کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ماں، خلوص و مہر کا پیکر، محبت کا ضمیر.. ماں، خدا کا رحم، وہ دنیا میں جنت کی سفیر
ماں، ز سر تا پا محبت، ماں، ز سر تا پا کرم.. ماں، وہ جس کے دم سے قائم وفاؤں کا بھرم

ماں، نشان منزلِ آدم ، تقدس کا پیام
ماں کے قدموں میں ہے جنت، ماں کے قدموں کو سلام